آزاد حیدرآباد

صحت نامہ اغلاط

(براہ کرم کتاب پڑھنے سے پہلے یہ اصلاحیں فرمائی جائیں)

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶	۹	L'inde	l'inde
۱۹	۸	اوالعزمی	اولوالعزمی
۲۰	۱	تینزینی	ماتزینی
۲۱	۳	مِلُّ	مِلّ
۳۱	۱۲	لارڈ ڈیڈنگ	لارڈ ریڈنگ
۳۲	۲	"	"
۳۳	۱۷	"	"
۳۷	۱۰	قابل	ناقابل
۴۳	۴	جانا	جاتا
۴۵	۱۵	کی مجوزہ منظورہ ملٹری	کے مجوزہ و منظورہ ملٹری کالج
۵۹	۱۰	رائٹ کے کے	رآئٹ کے
۶۳	۱۹	منظور	تسلیم
۶۵	آخری	صفحہ (۴۷) پر	صفحہ (۷۶) پر
۷۳	۱۶	چندراورکر	چنداورکر
۹۲	۱۱	گیائش	گیلانٹش
۱۰۰	۱۹	دفعہ (۹)	دفعہ (۱۹)

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	مضمون نگار	صفحہ

تاثرات

از

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر

کسی قوم کی ترقی ایک نصب العین کے تعین اور اس نصب العین کے متعلق شعور عامہ کی بیداری پر منحصر ہے۔ بحمد اللہ باشندگان حیدر آباد نے اپنا نصب العین معین کر لیا جو میرے الفاظ میں وسیع تر عظیم تر بیرونی و اندرونی مداخلتوں سے پاک اور کامل آزاد حیدر آباد ہے لیکن اس طرف ہم اس وقت تک صحیح قدم نہیں اٹھا سکتے جب تک عوام اس نصب العین کی حقیقت اور اس کے مالہٗ وما علیہ سے باخبر نہ ہو جائیں۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی یہ مختصر رسالہ ہے جو مولوی مرزا مظفر بیگ صاحب مالک مکتبہ ابراہیمیہ رکن مجلس شوریٰ اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ اسلامیہ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے۔ اس میں آپ کو کوئی نئی چیز نہ ملیگی۔ اور آپ انہی مضامین کو دوبارہ پڑھیں گے، جو آپ نے آج سے پہلے پڑھے ہونگے لیکن کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ایک ہی بات دو مختلف زمانوں میں اس وقت کے حالات کے اعتبار سے دو مختلف قسم کی کیفیات پڑھنے والے کے قلب و دماغ میں پیدا کرتی ہے۔ آپ نے جس وقت ان مضامین کو پڑھا تھا اُس وقت آپ کا ملک اور دنیا اُن حالات سے نہیں گزر رہے تھے جن حالات سے آج گزر رہے ہیں۔ اُس وقت یورپ میں کوئی مہیب جنگ نہ تھی اُس وقت دنیا کا نقشہ اس طرح جلد جلد نہیں بدل رہا تھا اُس وقت ہندوستان کے لئے مقبوضاتی طرز

اس طرح متیقن نہیں ہو چکا تھا جیسا کہ آج ہز ایکسلنسی وائسرائے اور وزیر ہند کے بیانات بابت ۸ و ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء نے کر دیا ہے اُس وقت حیدرآباد کا مستقبل اس طرح متعین نہیں تھا جس طرح آج مجلس اتحاد المسلمین کی یادداشت مورخہ ۲۶ جمادی الثانی میں ہے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ آج آپ ان مضامین کو پڑھیں گے تو اُس سے زیادہ مستفید و متاثر ہوں گے جتنا آپ اس سے قبل ہوئے تھے۔

دوسری طرف کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ:

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

گاہ گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

بہرحال میں محترم مرزا مظفر بیگ صاحب کو اُن کی کوشش کے لئے مبارکباد دیتا ہوں اور ہر فرزند حیدرآباد سے متوقع ہوں کہ وہ ان مضامین کو غور سے اور سمجھ کر پڑھے گا۔

احقر العباد

محمد بہادر خاں عفی عنہ

تذکرۂ طباعتِ دوم

(از ناشر)

یوم خود مختاری دکن، ۲۹ رجب ۱۳۵۹ھ کو مشکل سے "آزاد حیدرآباد" کی طباعتِ اول ختم ہوئی تھی۔ اور اسے بازار میں آنے ایک آدھ ہفتہ اور لگ گیا تھا۔ ابھی جمعۃ الوداع کا موقع بھی نہیں آیا تھا، ڈیڑھ پونے دو مہینوں کے مختصر عرصے میں کتاب کا پہلا ایک ہزار کا اڈیشن بالکل ختم ہو گیا۔ اور مانگ روز افزوں ہی نظر آنے لگی اس لئے اب یہ دوسرا اڈیشن شائع کیا جا رہا ہے۔

اِس طباعت میں ایک تو مملکتِ آصفیہ کے نقشے کی اصلاح کی گئی ہے۔ دوسرے مراجعے اور حوالے کی سہولتوں کے لئے اشاریہ بڑھا دیا گیا ہے۔ تیسرے چند مضامین یا تعلیقات کا بھی اضافہ کیا گیا ہے جس کے باعث یہ کتاب طباعتِ ثانی میں پہلے سے زیادہ مفید ہو گئی ہے۔

قدردان اہلِ ملک کی حوصلہ افزائی اور بلند پایہ صحافت کی متفقہ داد کا کما حقہٗ شکریہ ممکن نہیں۔ اصل ستائش تو ذاتِ حق ہی کو سزاوار ہے، جس کی مشیّت ہی کارخانۂ عالم میں جس پرزے سے جو چاہتی ہے کام لیتی ہے۔ فقط

مرزا مظفر بیگ

عید الاضحیٰ ۱۳۵۹ھ

کلمۂ ناشر

(بوقتِ طباعتِ اول)

رنگ برنگ کے پھول جنگل میں بھی کھلتے ہیں کسی چمن میں بھی۔ اپنے خانہ زار مسکن میں بھی ان کا قیام رہتا ہے کسی گلدستے میں سج کر وہ مرکزِ بصر اور نورِ نظر بھی بنتے ہیں — ان میں باہم کیا کچھ نہ فرق ہے!

اچھے سے اچھے قوم ساز اور عہد آفرین مضامین کبھی کسی روزنامے میں نکلتے ہیں کبھی کسی ہفتہ وار اخبار میں، کبھی کسی ماہوار رسالے میں اور کبھی خود ایک مستقل رسالچے کی شکل میں۔ اگر ان کو کسی کتاب کی صورت میں یکجا کر دیا جائے تو انکی عمر اور ان کے اجتماعی استفادے میں کیا کچھ نہ اضافہ ہو جائے!

ہمارے وطن ملک دکن میں قدرت کی فیاضیاں کسی شعبۂ حیات میں بھی ماموری کے نہیں ہیں۔ سلطنتی عظمت، تاریخی اہمیت، افرادی قابلیت، وسائلی فراوانی، کام کرنے کی امنگ، الحمد للہ دکن کسی میں کسی سے کم نہیں لیکن موجودہ نازک اور عبوری دور میں نوجوان کی ناواقفیت بے راہ روی کا سب سے بڑا باعث بن سکتی ہے۔

معلومات اور رہنمائی، دونوں مقاصد حاصل ہو جائیں اگر اچھی لیکن منتشر چیزوں کو تجانس اور تناسب کے لحاظ سے یکجا کرنے کی کوشش کی جائے۔ خدا کا نام لے کر

اس کا آغاز کیا جاتا ہے۔ اور سلطنت اسلامیہ آصفیہ کی (۲۱۷) ویں سالگرہ اعلان خود مختاری کے مبارک و مقدس موقع پر اس پہلے مجموعہ مضامین کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کیجاتی ہے لئن شکرتم لازیدنکم

یہ مجموعہ صرف سیاست دکن سے متعلق مضامین کا ہے۔ ہزاروں مضامین سے چند بہترین کا انتخاب جتنا مشکل ہے اتنا ہی اختلاف ذوق کا شکار۔ اپنی کم ذوقی کے اعتراف کے ساتھ البتہ اس امر کا دلی شکریہ بیحد ضروری ہے کہ اُن تمام مدیران جرائد و رسائل نے ـــــ جن کے نشریات سے اس مجموعے کا انتخاب کیا گیا ـــــ ہمیں کھلے دل سے اور بلا کسی معاوضے کے اس کی اجازت دی۔ اسی طرح جہاں تک ممکن ہو سکا سابقہ طباعتی فروگزاشتوں کی اصلاح خود اصل مضمون نگار سے ورنہ ملک کے بعض فن دانوں سے کرائی گئی ہے۔ اور اگرچہ بعض مضامین کی بیان کردہ چند جزئی تفصیلیں رفتار زمانہ کے باعث بدل گئی ہیں لیکن اگر واقعات کو آج عصری بنانے کی کوشش کیجائے تو طباعت کے دوسرے دن ہونیوالی تبدیلی کا ساتھ نہیں دیا جاسکتا۔ اسی لئے ہم نے اِن مضامین کو بلا ترمیم و تصرف ہی شائع مناسب خیال کیا۔ البتہ ہر مضمون کے آخر حوالے میں انکی تاریخ اشاعت بھی دیدی گئی ہے۔

۲۹ رجب المرجب ۱۳۵۹ھ
مکتبۂ ابراہیمیہ
مصطفیٰ بازار حیدر آباد دکن

مرزا مظفر بیگ

شاہ شاہاں میر عثمان علیخان زندہ باد

آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ میر عثمان علیخان فتح جنگ سلطان العلوم ہمارے موجودہ تاجدار ہیں ۔ گو ہمارے محبوب فرمانروا کے حالات کا ہر وقت اعادہ ایک تازہ دلچسپی رکھتا ہے لیکن یہاں پر صرف چند دلچسپ حقائق اور غیر متداول واقعات کو پیش کرنے کی کوشش کیجائے گی گو ضمناً چند دیگر امور کا بھی ذکر ضروری ہے ۔

ولادت

۲۹؍ ویں جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۲ھ م ۵؍ ویں اپریل سنہ ۱۸۸۶ء کو ہوئی ۔ بچپن ہی سے ملک کے بہترین دماغ اخلاق اور تربیت آموزی پر مامور ہوئے ۔ ذہن کے پختگی کو پہنچنے کے بعد ولیعہد مملکت کی ضروریات کے مطابق انتظام مملکت اور عدل گستری کا علمی و عملی تجربہ کرایا جانے لگا ۔ ملک اور رعایا سے شخصی واقفیت حاصل کرنے کے لئے وسیع اور تفصیلی دورے ہونے لگے ۔ غرض یہ کوئی مبالغہ نہیں کہ بعض معتمدین محکہ جات اور ان کے مددگاروں نے دنیا کے ایک بہترین سیاسی دماغ کی تربیت اور آبیاری کی عزت حاصل کی ۔ ۸؍ ویں رمضان سنہ ۲۹ھ م (سنہ ۱۹۱۱ء) کو تخت نشینی کا ملک نے جشن منایا ۔ اس کے بعد سے اب تک ایک انتھک سید القوم کی غیر مختتم خدمتوں سے ملک مستفید ہو رہا ہے ۔ ترقی کے مدارج نہایت تیزی اور استقلال کے ساتھ طے

امور رہے ہیں۔

خاندانی نبالت اور شاہی عظمت خصوصیات جہاں پناہی اور کارنامہ جات ظل اللہی کے مختصر تذکرے سے قبل چند ایک تاریخی امور قابل ذکر ہیں۔

مغفرت مآب آصف جاہ اوّل کے مشہور وصیت نامے میں مذکور ہے کہ ایک دن نادر شاہ نے فتح دہلی کے بعد آپ کو محمد شاہ کی جگہ تخت ہند پیش کیا مگر دہلی کو نادری قتل عام سے بچانے والے نبیل (Noble) ہیرو نے جواب دیا کہ جس کا نمک کھایا ہے اُس کی جگہ لینی گستاخی ہے۔

اسمتھ اپنی کتاب "آکسفرڈ ہسٹری آف انڈیا" میں رکارڈ کرتا ہے کہ لارڈ ہسٹنگز وائسرائے نے اپنے ہمعصر حضور نظام سے استدعا کی تھی کہ مغل بخشی کا شاہی خطاب استعمال فرمایا جائے۔

کچھ عرصہ سے ملک میں اس قسم کے کاغذات کے دریافت کی خبریں سنی جارہی ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی مشہور جنگ کے اختتام پر (جس میں انگریزی حکومت کو اُلٹ دینے کی ناکام پہلی کوشش کی گئی تھی) حکومت برطانیہ نے اس وقت کے شاہِ دکن سے تخت دہلی کے قبول کرنے کی درخواست کی تھی۔ اور بہ خیال منظوری سرکاری کاغذات وغیرہ دہلی سے حیدر آباد بھیج دئے تھے۔ اَب بھی وہی جواب ملا کہ "جس کا نمک کھایا ہے، اس کی جگہ لینی گستاخی ہے"۔

یہ تو خیر داستان پارینہ تھی لیکن اب بھی چند دلچسپ حقائق ایسے ملتے ہیں جن کا خیال دل میں نئے نئے ولولے پیدا کرتا ہے۔

ہز ہائینس سلطان مسکلا و شحر عرب کے ایک خود مختار حکمران ہیں۔ برطانوی

حکومت آپ کو توپوں کی سلامی دیتی ہے۔ لیکن جب آپ حیدرآباد آتے ہیں تو نظم جمعیت (فوج بےقاعدہ) سرکار عالی کے ایک جمعدار اور ملکی امرا میں سے ایک امیر سمجھے جاتے ہیں۔

ہزہائینس مہاراجہ اندور حیدرآباد کے ایک موضع کے موروثی پٹیل ہیں۔ کچھ عرصہ قبل سرکار عالی کے قانون مالگزاری کے لحاظ سے کچھ بحث آئی تھی تو مہاراجہ وقت (سر تکوجی رائو) نے رزیڈنسی کے توسط سے اپنے حقوق کی حفاظت کی سخت کوشش کی تھی۔ بالآخر جب سرکار نے ہزہائینس کے موروثی حقوق پٹیل گری کو تسلیم کرلیا، تو ہزہائینس نے اپنی ممنونیت اور شکر گزاری کا سرکار عالی سے اظہار کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مہاراجہ کا ایک کارندہ کام انجام دیتا ہے۔

متعدد رؤسائے ہند مثلاً ہزہائینس مہاراجہ وصار، ہزہائینس نواب جناب بیگم بھوپال وغیرہ نے حیدرآباد کے جاگیرداروں وغیرہ کے ہاں شادیاں کی ہیں۔ راجہ صاحب سمستان شوراپور (حیدرآباد) کو ترپتی کے مشہور مندر میں سرپرستی کی عزت حاصل ہے۔ گو مہاراجہ میسور وغیرہ نے جو مندر کی خاصی امداد کرتے ہیں، اس عزت کو حاصل کرنا چاہا، مگر مہنتوں نے انکار کردیا۔

سرکار عالی کے بیسیوں جاگیرداروں میں سے ایک ایسٹ انڈیا کمپنی بھی ہے جسے متعدد علاقے بطور جاگیر عطا ہوئے۔ اس علاقے کے ساتھ جاگیرات کا سلوک ہونا چاہیئے۔

حیدرآباد میں متعدد ہندو مسلمان جاگیردار ایسے ہیں جن کی آمدنی پندرہ سے پچاس لاکھ سالانہ تک بیان کی جاتی ہے۔ اس سے کم وسعت اور کم آمدنی کے علاقے دار ہندوستان میں ہزہائینس کہلاتے ہیں مگر یہ

جاگیردار شاہ دکن کی مؤدبانہ خدمت گذاری اور اطاعت ہی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ علاوہ برآں حیدرآباد کا اپنا ٹپہ (ڈاک) اور سکہ ہے اور ایک لاکھ مربع میل اور سوا کروڑ آبادی پر مشتمل ہے۔ اور ملکی زبان ہی سرکاری اور تعلیمی زبان ہے۔ اور اسی طرح حیدرآباد کی تقویم (کیلنڈر) بھی مستقل ہے۔ اگر فصلی سنہ کے غیر ملکی پارسی ناموں کی جگہ شاہان آصفیہ کے نام کے مہینے بنائے جائیں تو اس میں پوری حیدرآبادیت آسکتی ہے۔ ایسی ان گنت چیزیں ہیں۔

انتظام | ایک مشہور فرانسیسی سیاح موسیو پرلو حال میں اپنے سفرنامہ ہند Sur La Route De L'inde میں حیدرآباد کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ "اس قدیم اسلامی سلطنت میں ہندو اکثریت ہے جو اطمینان اور مرفہ الحالی سے بہرہ ور ہے۔" روشن خیالی اور بے تعصبی کی کسی مزید دلیل کی اس کے بعد ضرورت نہیں۔

اس انیس سالہ دور حکومت میں محکمہ جات فینانس، عدالت، تعمیرات، تعلیم، آبپاشی، ریلوے وغیرہ میں ماشاءاللہ بے نظیر ترقی ہوئی ہے اور بہ لحاظ ضرورت متعدد نئے محکمے مثلاً ترقیات عامہ، آرایش بلدہ، آثار قدیمہ، جامعہ عثمانیہ، امداد باہمی، کشافہ (بائے اسکاؤٹ) وغیرہ قائم کئے گئے ہیں۔ صنعت و زراعت کی مزید ترقی ہر آن پیش نظر ہے مچھلی بندر میں بحریہ قائم کرنا عرصے سے زیر غور ہے نیز ملک کے فرزندوں کو ملک کی خدمت کے لئے تیار کرنا اور زیادہ سے زیادہ موقع دینا طے شدہ پالیسی ہے کہ ان کے بغیر سچے بہی خواہ اور کاردان و کارگزار نہیں مل سکتے۔ اجنبی آمد صرف امدادی اور عارضی ہے۔

اخلاق و کردار شاہ دکن نہ صرف ایک مُدبرِ اعظم اور زبردست سیاس ہیں بلکہ سلطان العلوم بھی ہیں۔ متعدد علوم میں کمال بہت سی زبانوں میں مہارت اور شعر و شاعری میں پختگی بھی حاصل ہے۔ نعتِ سرورِ کائنات اور مراثی شہدائے کربلا دو خاص مضامین سے دلچسپی ہے اور خاصکر اُردو نعت میں آزاد نقاد بھی کلام الملک کو ملک الکلام اور لاثانی قرار دیتے ہیں۔ دیگر عام کلام میں" پردہ" کے عنوان سے جو نظم لکھی گئی تھی وہ ملک میں ہرجگہ وِردِ زبان ہے۔

تاریخ میں ایسی بہت ہی کم شخصیتیں ملیں گی جن کی فیاضی عالمگیر ہو اور جن کے شاہانہ عطیوں سے علماء، مدرسے، طرح طرح کے ادارے ہر طبقے کے مستحق محتاج فیض یاب ہوتے ہوں۔ اور اس فیضیابی میں ملک و قوم کی قید نہ ہو۔ حد ہو گئی کہ لارڈ ارون کی سیرِ حیدرآباد کے موقع پر بجائے مہمان کے میزبان خیرات کے لئے رقم مہمان کو دیتا ہے ع

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

ایک طرف تو یہ ناقابلِ احصاء، لاکھوں کروڑوں کی داد و دہش ہے اور دوسری طرف شخصی نفس کُشی اور سادگی میں اسلام کے عہدِ زرین کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ بہت کم اجنبی یہ باور کرنے بہ آسانی آمادہ ہوتے ہیں کہ سرتاپا سادہ معمولی ملکی لباس پہنی ہوئی مجسّم نمونۂ عمل شخصیت وہی ہے جو سوا کروڑ نفوس کی نگہبان ہے اور جس کی جنبشِ قلم سالانہ کروڑوں روپیے خرچ کراتی ہے۔

ان سب کے علاوہ ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ نہایت بے تعصب اور روادار اور ساتھ ہی پکّے مذہبی اور عبادت گزار حضور کی روزے نماز کی پابندی اشتبہاتِ شرعی سے اجتناب اور یہ خیال کہ مذہبیت کبھی ترقی

میں حارج نہیں" اہلِ ملک کے لئے تازیانۂ عبرت بنتے ہیں اور اثر پیدا کر رہے ہیں۔ کیوں نہ ہو اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِھِم ؎

حال میں ایک اٹالین استعمار پرست سیاح حیدرآباد آیا تھا ایک ٹوٹی پھوٹی گفتگو میں اس نے مجھ سے کہا "حیدرآباد میں بس یہ ایک (یعنے شاہ دکن) زبردست (خاکش بدہن) کانٹا ہیں جو یورپی تہذیب (جہالت) کے پھیلنے میں مانع ہیں"۔ خدا نہ کرے جو ہم اس کے مصداق بنیں کہ "قدرِ نعمت بعد زوال"۔

راعی ورعایا دوآبہ گوداوری وکرشنا کا کونسا سچا فرزند ہوگا جسے اپنے بادشاہ سے عشق نہ ہو۔ حقوق عدل گستری کے ساتھ ہی ساتھ امداد، وفاداری، اور اطاعت رعایا کے فرائض بھی ہیں لیکن راعی کا رعایا کو ان کے حقوق سے آگاہ کرنا، بطور متولی کے ان کے مفاد کی خاطر چین و آرام کو قربان کرنا اور انتظام مملکت میں پدرانہ شفقت کا برتاؤ کرنا جو تسخیر قلبی کر رہا ہے، اس کا والہانہ مظاہرہ یوم مراجعت از دہلی کے موقع پر کچھ دیکھا جاسکتا تھا۔

دوصد سالہ جشن سالگرہ سلطنت اور مستقل عید یوم خودمختاری رعایا کو ان کے حقوق اور فرائض پر متنبہ کرتی ہے۔ ضرورت ہے کہ ملک اس دن کی اہمیت سے روز بروز بیش از بیش واقف ہوتا جائے۔

زندہ باد شاہ ما۔ پائندہ باد ملک ما۔ فتح مند باد قوم ما۔

آمین

{ منقول از رسالہ ولک شاہ حیدرآباد
تذکار خودمختاری نمبر ۱۳۴۸ھ صفحہ ۳ تا ۴ }

ہمارا مطمحِ نظر اور اس کے حصول کے ذرائع

کتاب روحِ ارتقاء کے چند ابواب کا اقتباس

از

مولنا محمد غوثؒ

بیدار شو اے دیدہ کہ ایمن نتواں بود
از سیلِ وما دم کہ درین منزلہ خوابست

تمہید زندہ اور مہذب اقوام کا مطمحِ نظر میدانِ ترقی میں آگے بڑھنا ہے۔
انسانی تخیل، کوشش، قوت ارادہ اور قوت عمل کو قوم کے سنوار اور بگاڑ میں بڑا دخل ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

غیر مغلوب ہمت، بلند حوصلگی، اولو العزمی اور جدوجہد ہی انسان کو ذلت اور پستی و نکبت کے گڑھے سے نکال کر اس کے سر پر کامیابی کا تاج رکھتی ہیں اور اس کی معراجِ ترقی تک رہبری کرتی ہیں۔

بہر کاری کہ ہمت بستہ گردد
اگر خاری بود گلدستہ گردد

مُبصرین پر ظاہر ہے کہ گاریبالڈی اور میتسنری Mazzini کی کوشش سے اطالیہ، واشنگٹن کی ہمت سے امریکہ، کمال پاشاہ کی سرگرمی سے ترکیہ، اکبر خاں اور امان اللہ خاں کی بلند ہمتی سے افغانستان، امر سنگھ کی دلیری سے نیپال، میکاڈو کے اعظم کی جد و جہد سے جاپان آزاد اور خود مختار قوموں کی صف میں کھڑے ہو گئے ہیں۔ خدا ان ہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی آپ مدد کرتے ہیں۔ "وَلَیَنصُرَنَّ اللّٰہُ مَن یَّنصُرُہٗ"

God helps those who help themselves

مرد باید کہ ہراساں نہ شود
مشکلے نیست کہ آساں نہ شود

جو قوم اپنی حفاظت، بقا، اور ترقی کا دار و مدار اور انحصار اجنبیوں اور غیروں پر رکھے اور ان کو اپنے مفاد کا کفیل اور ضامن تصور کرے، اور خود جمود اور بے حسی کی زندگی بسر کرے تو ایسی قوم بہت جلد زوال پذیر اور تنازع بقا میں پسپا ہو جاتی ہے۔ اپنے ملک و ملت کی ترقی اور حفاظت و صیانت کے لئے افراد قوم کو خود کوشش کرنا چاہیئے۔

ع کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو کوشش کرے۔

ع برتوکل زانوئے اشتر بہ بند

پر ہمارا عمل ہونا چاہیئے۔

اِس نظریے کو قرآن مجید میں نہایت وضاحت اور ربط سے بیان کر دیا گیا ہے کہ "اے مومنو اگر تم خدا (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری

مدد کرے گا۔ اور تمھارے قدم جمائے گا"۔ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (پ ۲۶ س ۴۷ آیت ۷)

مسلمانوں سے خطاب

کیا اسلام مانع ترقی ہے

دوسرے ملک میں وطنیت اور قومیت کو نہایت اہمیت دیجاتی ہے۔ ان کی بقار اور شیرازۂ جمعیت ہے بھی اسی سے وابستہ۔ مگر اس کے برخلاف مسلمانوں کی روح، زندگی ان کی بقاء ان کا قومی استحکام ان کی ملّی جمعیت اور ترقی غرض ان کا سب کچھ ان کے مذہب پر منحصر ہے۔ مذہب پرستانِ اسلام کی اس ہزار سالہ دینی روح کو مٹانے اور ان کو نیست بہت نابنانے کے لئے عرصہ دراز سے مغرب دسیسہ کاریاں کررہا ہے اور اس کے اس دعایے (پروپگنڈے) سے اسلامی نئی نسل ایک حد تک متاثر ہوکر مذہب ہی سے متنفر اور کارہ ہورہی ہے۔ اور اس کو مانع ترقی تصور کرنے لگی ہے ۔ حالانکہ دنیا میں اسلام ہی ایک مذہب حق ہے جو ترقی کا مترادف ہے۔ دوسرے مذاہب اور ادیان کی مذہبی تعلیم کا عنصر غالب رُہبانیت اور ترکِ دنیا پر مبنی ہے۔ ایسے مذہب کے ترک سے ہی ان کی دنیاوی ترقی ہوسکتی ہے۔ اور وہ دنیا میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ مگر اسلام ہرگز دنیاوی ترقی کا مانع نہیں۔ بلکہ وہ تو دین و دنیا دونوں کی ترقی کا علمبردار حامی اور سرپرست ہے مسلمانوں کی شاندار اور تاباں درخشاں تاریخ اور سورۂ "فتح" اور "نصر" اور فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً اس دعوی کے بیّن ثبوت

ہیں۔ اسلام نام ہے اُس دستور العمل آسمانی ہدایت الٰہی اُخوت اور اُسوۂ حسنہ کا جس کی صحیح پابندی سے انسان اس عالم فانی میں اپنی ہستی کو اپنے اور اپنی اُمت کے لئے مفید نافع اور کار آمد بنا سکتا ہے اور اعلیٰ مرتبے پر پہنچ سکتا ہے اور عالم آخرت کی لازوال ربانی رحمت اور ابدی مسرت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرہ یعنی (اللہ کے دوست) وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے ان کو دنیاوی زندگی میں بھی (فتح و نصرت) کی بشارت ہے اور آخرت میں بھی (پ ۱۱ ع ۱)

رومن امپائر کو مسلمانوں نے سات برس میں شہنشاہیت عجم کو دو ماہ میں اسپین کو دو سال میں فتح کر لیا۔ (تمدن عرب لیبان ص ۱۳۷ مسلمانوں کی ترقی ص ۱۳) اس کا راز بس یہی تھا کہ۔ وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین :۔ تم اُسی وقت سربلند ہو گے جب تم پکے مومن رہو۔

مسلمانوں میں جب تک مذہبی جوش دینی حرارت ولولۂ غزا جذبۂ ملک گیری تھے، کوئی قوت ان کے عزم راسخ کو روک نہ سکی۔ ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے کہ "عربوں نے دنیا کو فتح کرنا اُسی دن سے شروع کیا جس دن سے انھوں دین محمدی کی برکت سے اپنے کو ایک قانون مقررہ (شریعت) کا پابند کر لیا۔ یہی پابندی تھی جس نے عرب کے متفرق قبائل کو یکجا کیا۔ (تمدن عرب ص ۵۴۷)

مایوسی کفر ہے | پست ہمتی، نگونساری اور مردہ دلی کی علامت ہے۔

اسلام مایوسی کو کفر بتاتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے "نہیں مایوس ہوتی ہے خدا کی رحمت سے مگر کافروں کی قوم" حدیث شریف ہے۔ الیاس من الکفر

مایوسی کفر ہے۔

اُولوالعزم اور بلند ہمت شخص اپنے پاس مایوسی کو پھٹکنے نہیں دیتا فاتح روم و عجم حضرت فاروقِ اعظم کا قول ہے کہ "پست ہمت ہونے کی کوشش کر۔ انسانی ترقی کو پست ہمتی سے بڑھ کر کوئی چیز صدمہ نہیں پہنچاتی

اجتهد ان لاتكون دنی الهمة فانی مارایت شئیاً

اسقط لقدم الانسان من تدانی همته "

ہمت بلند دار کہ مردانِ روزگار — از ہمتِ بلند بجائے رسیدہ اند

ہمارا مطمح نظر زندہ اور متمدن اقوام اپنے ملی جھنڈے کے بلند کرنے کو نیز اپنے وطن کی خودمختاری اور استقلال و استحکام کو اپنا مطمح نظر بناتے ہیں۔ حالیہ جنگِ عظیم کا مقصدِ اعظم وزراے انگلستان، فرانس و امریکہ کے بیان کے مطابق "کمزور قوموں کی حمایت اور اُن کے ممالک کی حفاظت" تھا اور بس۔

اِس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ جس طرح افراد کی غلامی قابلِ نفرت اور ذلیل چیز ہے، (اِس کو مٹانے میں علمبردارِ حریت انگلستان سب سے پیش پیش اپنے کو ظاہر کر رہا ہے) اِسی طرح قوموں کی غلامی اور محکومی بھی قابلِ لعنت اور لائقِ حقارت چیز ہے۔ کامل خودمختاری ہر حکومت کا فطری حق ہے۔ یہ نفیس، عزیز، قیمتی تحفہ (کامل خودمختاری) دیا نہیں جاتا۔ بلکہ قوم کی مسلسل جد و جہد اور انتھک کوشش سے لیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ قانونِ قدرت ہے کہ زندگی کی اعلیٰ ترین چیزیں ملتی نہیں حاصل کیجاتی ہیں"۔ غلامی کی لعنت، محکومی کے طوق، استبداد کی زنجیر کو افرادِ قوم کی عملیت، اُن کے اصلی جذبات اور حقیقی احساسات توڑ دیتے ہیں

۵ نظرکیفی حال سرشار پیدا کر — جو پیدا کر سکے چال صبا پا پیدا کر

آئرلینڈ، مصر، عراق، شام، چین اسی مقدس مہم کے سر کرنے کے لیے میدانِ عملیت میں گامزن اور محکوم اور بے حس اقوام کے سامنے ایک شاہراہ عمل اور ایک طریق کار پیش کر رہے ہیں۔

آج محکوم اور غلام ہندوستان کے پیشِ نظر مکمل خود مختاری کا لائحۂ عمل ہے۔ ہر صوبہ اور ہر ضلع میں اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ہندو سبھا نوجوان سبھا، سنگٹھن سبھا، بھارت سبھا، سوراج اور کانگریس سبھا کی انجمنیں اور ذیلی انجمنیں قائم اور برسرِ عمل و ردِ عمل ہیں۔ سب کا مطمحِ نظر ہندوستان کی آزادی اور خود مختاری ہے ......

ذرائعِ حصول

۵ کارواں رفت و تو در رہ کمینگاہ بخواب
وہ کہ بس بے خبر از غلغلِ بانگِ جرسی

قوتِ اعلیٰ اور مرکزِ اصلی سے مربوط ہو کر ملی تعمیر اور اتحادِ قومی کی آبیاری اور جماعتی قوت کا پیدا کرنا ہمارے مطمحِ نظر کے حصول کے ذرائع ہیں۔

قرآن شریف میں اس کے متعلق چار حکم دئے گئے ہیں:۔

(۱) مشورہ (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ) مشورت مہتم بالشان چیز ہے۔ اس کو نہایت اہمیت دی گئی ہے۔

(۲) معدلت (اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ)
بغیر انصاف اور عدل گستری کے کوئی قوم حقیقی ترقی نہیں کر سکتی۔

(۳) اتفاق (وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا)
ملی تعمیر و ترقی کے لئے اتحاد و اتفاق لازم و ملزوم چیزیں ہیں، قوم کی زندگی کے لئے مذہبیت قومی اتحاد اور قومیت کا احساس بہت ضروری ہیں، قومیت اور مذہبیت کا

جذبہ جب تک برقرار ہے اُس وقت تک قوم میں زندگی کی رُوح تازہ رہتی ہے۔ جب یہ جذبہ کمزور ہو جاتا ہے تو قوم میں کمزوری آجاتی ہے اور اِس جذبہ کے مٹ جانے سے قوم مُردہ ہو جاتی ہے۔ جب ملک متحد اور محبت و اخوت اور ہمدردی کے زبردست رشتوں پر مرتبط ہو جائے گا تو وہ دن دور نہیں کہ ہم اس کو ترقی حقیقی مرفہ الحالی اور مکمل خود مختاری سے سربلند و شادکام دیکھیں اہلِ ملک کے دماغ میں ذریعہ تحریر و تقریر ملکی خود مختاری کی اُمنگ مستحکم اور مستقل طور پر جاگزیں کرا دینی چاہیئے۔

(۴) قوت (وَاَعِدُّوا لَهُم الآیة) مسلّمات سے ہے کہ قومی قوت اور ملی طاقت ترقی کا زینہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "المومن القوی خیرٌ واحبُّ اِلی اللّٰہ مِنَ المُؤمِنِ الضَعِیف" یعنی قوی مومن بہتر ہوتا ہے اور خدا کو ضعیف مومن سے زیادہ پسند ہوتا ہے افراد کی مضبوطی سے قوم کی مضبوطی ہوتی ہے۔ قوم کی عظمت، ملک کی شوکت افراد ہی کی حالت سے وابستہ ہے۔

حکومتوں کے معاہدے اور عہود و مواثیق کی پابندی اور ایفائے وعدہ سب کچھ اسی پر منحصر ہیں۔ طاقت کے سامنے مخالف و موافق سب جھکاتے ہیں۔ قومیں قوت کے سہارے اٹھتی ہیں، قوت ہی سے بڑھتی ہیں اور قوت ہی سے زندہ رہتی ہیں۔

ہمارے سامنے ترکی، جاپان اور افغانستان کی مثالیں موجود ہیں۔ کوشش، جدوجہد، قربانی اور ایثار کے بغیر کوئی قوم باعظمت نہیں بن سکتی۔ حکمائے عرب کا مقولہ ہے۔ "العقل السلیم فی الجسم السلیم" عقلِ سلیم تندرست جسم ہی میں ہوتی ہے (S. Smith) ایس ڈی اسمتھ لکھتا ہے

کہ "زندگی کے تمام بھاری انعامات اور کامیابیاں ہمیشہ تندرست، تنومند اور
قوی اشخاص ہی حاصل کرتے ہیں"
ماریڈن لکھتا ہے کہ اعلیٰ درجے کی پائیدار خصلت اور کردار کے
ساتھ جسمانی مضبوطی کا ہونا بھی لازمی ہے۔ وہ لوگ جو اپنی خصلت کی
پائیداری و مضبوطی کے لئے مشہور تھے عموماً طاقتور اور اچھی صحت کے
تھے۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جسیم اور قوی انسان کا رعب و داب زیادہ ہوتا ہے
ہربرٹ اسپنسر لکھتا ہے کہ کسی قوم کی اعلیٰ ترقی حاصل کرنے کی پہلی شرط
یہی ہے کہ اس قوم کے اشخاص اعلیٰ درجے کے حیوان بھی ہوں" (کتاب
ایجوکیشن از اسپنسر)
ماریڈن لکھتا ہے کہ "اقبال مند بننے کے لئے تمہیں دماغی قوت
کو ترقی دینی لازم ہے۔ اور دماغی نشو و نما میں سوائے تندرستی جسم کے
اور کسی چیز سے زیادہ مدد نہیں مل سکتی۔ آج کل کے تنازع بقائی
Struggle for existence میں وہی لوگ کامیابی حاصل کر سکتے
ہیں جو اپنے جسموں کو اچھی حالت میں رکھتے ہیں"
جنرل فون بیرن ہارڈی اپنی بے نظیر کتاب "جرمنی اور آئندہ جنگ"
میں قومی تعمیر کے متعلق لکھتا ہے کہ "حال میں ان نوجوانوں کے لئے جن
کی عمر اسکول میں پڑھنے کی نہیں ہے مفید صحت ورزشوں کا انتظام کیا گیا
ہے۔ وہ اپنا خالی وقت اس میں گزارتے ہیں۔ مدرسوں اور کلبوں کی
ورزشی تعلیم سے جسمانی ترقی پر مفید اثر ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان وجوہ سے
عام ورزش اور فن سپہ گری کا پورا انتظام کیا گیا ہے" (ص ۲۵۶)
ڈاکٹر لیبان لکھتا ہے کہ "ہمارے وقت میں تلوار کا زمانہ شروع

ہوگیا ہے۔ اور جو کوئی کمزور ہے اُس کا نیست و نابود ہونا لازمی ہے۔" (تمدن عرب صفحہ ۵۳۵)

مذکورہ بالا چند منتشر اقتباسات سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ آج کل زندہ اقوام فزیکل سائنس اور فنِ سپہ گری کو از حد زیادہ اہمیت دے رہی ہیں کہ صحتِ جسمانی تندرستی بدنی نشو و نمائے دِل و دماغ اور حقیقی ترقی کیلئے یہ نہایت ضروری ہیں ؎

ورزش سے خون بڑھتا ہے جسم نحیف میں	ہوتی نہیں خرابی ہے خونِ لطیف میں
تعلیم علم ہوتی ہے جس طرح صبح و شام	تعلیم جسم کا بھی مناسب ہے انتظام
ورزش سے دل کو اُنس و تمنا اگر رہے	پرچم کبھی نہ صورتِ لیزم کمر رہے
دل شیر آدمی کا ہو رستم پہ ڈر رہے	و شکل خوشی کا پیش نظر عمر بھر رہے
پھٹکے نہ پاس ضعف مرض کی نہ کچھ چلے	چوٹیں نجیں الم کے ہمیشہ امن تلے

(مخزنِ حکمت صفحہ ۱۷۰)

ہز ہائینس یوراج میسور نے ۵ جنوری ۱۹۲۹ء کو ایجوکیشنل کانفرنس میں کہا:۔ "آپ لوگ اب تک طالب علم کے دماغ کے ساتھ مصروف رہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب آپ ان کی جسمانی تعلیم کی طرف متوجہ ہوں کہ ان کو ایک اسپورٹس مین اور ایک سچا اسکاؤٹنگ کا پیرو بنائیں۔ اگر آپ جسمانی تعلیم کو دماغی تعلیم کے ساتھ ملا دیں تو آپ ایک مکمل آدمی بنا سکیں گے۔"

خاتمہ یورپ کے ذرائع ترقی پانچ امور پر مبنی ہیں۔ (۱) تربیت (۲) تیغ (۳) تجارت و حرفت (۴) تبلیغ (۵) تنظیم۔ ہم مختص بالمکان اور مختص بالزمان امور کو ملحوظ رکھ کر ترمیم کے ساتھ ان اصولِ پنجگانہ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

یہاں چند خاص امور لکھے جاتے ہیں، جو قومی ترقی اور اصلاح کیلئے بہت ضروری ہیں:۔

(۱) دل کے قوی، ہمت کے بلند، ارادے کے پختہ، محنتی، مضبوط اور راست باز ہوں۔

(۲) شجاعت، بہادری اور عزم کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کریں۔

(۳) راحت طلبی، عیش پسندی اور کاہلی سے دور، سادہ لباسی، سادہ خوراکی اور کفایت شعاری کے عادی بنیں۔

(۴) ضروریاتِ زندگی کو محدود کریں۔

(۵) اپنے ملک و ملت اور بادشاہ کے لئے جان و مال قربان کردینے کے لئے ہمیشہ تیار رہیں۔

(۶) خداوند تعالےٰ کے سوا کسی سے کبھی نہ ڈریں۔

(۷) ایثار کریں اور خود جفا برداشت کرکے اوروں کو راحت پہنچائیں۔

(۸) اپنا نصب العین متعیّن کرکے ہمیشہ تن من دھن سے اس کے حصول کی کوشش میں منہمک رہیں۔ فقط

{منقول از الکشافہ حیدرآباد تذکار خودمختاری نمبر ۱۳۴۷ھ ہجری
صفحات ۴۵ تا ۵۲}

حیدر آباد اور گول میز کانفرنس

(محمد حمید اللہ صاحب ایم۔ اے (عثمانیہ)

سرکار عالی خلد اللہ ملکۂ نے اس بات کو منظور فرمالیا ہے کہ دستور ہند کی ترمیم کے سلسلے میں گول میز کانفرنس میں شرکت فرمائے۔ اب صرف دو۲ امور قابلِ غور ہیں:۔

(۱) نمائندگی کون کرے۔

(۲) نمائندگی کن اُمور کے متعلق ہو۔

انہیں دو اُمور کے متعلق جو رائے عامہ ہے اُسے پیش کیا جاتا ہے۔

پہلے سوال کے متعلق یہ واضح کیا جاسکتا ہے کہ حیدر آباد کی رائے عامہ پورے زور کے ساتھ اس امر پر متحد اور جمی ہوئی ہے کہ نمائندگی ملکی افراد ہی کریں جو قوم پرست ہوں، یہی خواہ ملک مالک ہوں اعلیٰ قانونی اور سیاسی قابلیت رکھتے ہوں اور ساتھ ہی حیدرآباد کے حقوق اور مطالبات سے معاہدات و عمل درآمد کی روشنی میں اچھی طرح واقف ہوں، اور ان پر ملک مالک کو اعتماد ہو اس کے علاوہ حیدرآبادی وفد کے ساتھ جو مشیر اور عملہ رہے گا اس کا

انتخاب بھی نہایت احتیاط سے کرنا چاہیئے۔ سیاسی، معاشی، غرض ہر قسم کے امور پر جب بحث ہوگی تو ہر شعبے کے واقف کار و دیرینہ تجربہ کار و کارسوال اہلکاروں وغیرہ کا مختلف سر رشتوں سے انتخاب کرنا چاہیئے۔

دوسرا سوال حیدرآباد کے مطالبات کے متعلق ہے۔ اسے متعدد مُد خرولی میں تقسیم کرکے جواب دینا پڑے گا۔ ذیل میں اسی کی کوشش کیجاتی ہے۔

سیاسی موقف

آئندہ سیاسی موقف پر بحث کرنے سے پہلے سابقہ اور حالیہ حالت پر غائر نظر ڈالنے کی سخت ضرورت ہے۔

آصف جاہ اور ناصر جنگ بلکہ صلابت جنگ کے دورِ حکومت تک بھی سلطنتِ آصفیہ کو کامل اقتدار اعلیٰ (ساورین پاور) حاصل رہا۔ البتہ اس کے بعد ۱۸۰۰ء سے سرکار عالی نے برطانوی حکومت کی وساطت معاملات خارجہ کی حد تک کسی نہ کسی وجہ سے منظور فرمائی۔ سلطنتِ آصفیہ کے دو صد سالہ عہد میں برطانیہ سے جتنے بھی معاہدے ہوئے ہیں اُن میں بجز معاملاتِ خارجہ کے اور امور میں مساوات ہی کی روح کام کرتی نظر آتی ہے۔ حکومت ہند کو اس کے خلاف جو دعویٰ ہو چلا ہے وہ تین اُمور پر مبنی ہو سکتا ہے۔

(۱) چونکہ ہندوستان پر بتدریج برطانیہ کو اعلیٰ طاقت (پیراماونٹ پاور) حاصل ہو گئی ہے، اس لئے جملہ دیسی ریاستوں کے ساتھ حیدرآباد پر بھی برطانوی برتر اقتدار کو ماننا چاہیئے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ بالکل کمزور دلیل ہے۔ نیپال بھوٹان کو چھوڑیئے۔ گوا اور پونڈی چیری کے نہایت قلیل رقبے بھی بین الاقوامی تعلقات میں برطانوی ہند کے ساتھ مساوات رکھتے ہیں۔ دنیا میں کئی درجن حکومتیں ابھی

ایسی ہیں جن کے چاروں طرف شہنشاہتیں قائم ہیں، مگر پھر بھی ان کی خودمختاری میں کوئی فرق نہیں آتا۔ حیدرآباد اب بھی دنیا کی بہت سی خودمختار مملکتوں سے رقبے میں، آبادی میں، آمدنی میں، تہذیب و تمدن میں، انتظام و قابلیت میں، بڑھا ہوا ہے۔ محض کسی ملک کا رقبہ کم ہونا یا اس کے چاروں طرف کسی بڑی مملکت کا قائم ہونا اس کی خودمختاری پر اثر نہیں ڈالتا۔ صلح نامۂ ویسٹ فالیا کے بعد سے جس بین الاقوامی کلیئے پر یورپ اور ہر متمدن حصۂ عالم میں عملاً آمد ہے وہ یہی ہے کہ خودمختار ممالک مساوی موقف رکھتے ہیں۔ رقبے یا قوت وغیرہ کا فرق کوئی وقعت نہیں رکھتا اور معاہدات کا احترام بہر حال کرنا چاہیئے اسی اصول کو دستور مجلسِ اقوام میں شریک اور ہر رکن پر اس کی پابندی ضروری قرار دی گئی ہے۔

۲۔ دوسری دلیل ۱۸۶۲ء کی "سند" ہے، جو حیدرآباد کو بھی دیگر والیانِ ریاست کے ساتھ عطا کی گئی۔ اس پر لارڈ ریڈنگ نے بھی اپنے مشہور خط میں خاص زور دیا ہے۔ چنانچہ استدلال ان الفاظ میں ہے۔ "میں یورا گزالٹڈ ہائینیس کو یاد دلاؤں گا کہ ۱۸۶۲ء میں دوسرے والیانِ ریاست کی طرح فرمانروائے حیدرآباد کو بھی ایک سند دی گئی تھی، جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ ان کے خاندان اور ان کی حکومت کی بقا کی خواہشمند ہے، بشرطیکہ وہ تاج کے ساتھ وفادار رہیں۔ اور یہ کہ مسند حیدرآباد پر کسی کی جانشینی اُس وقت تک جائز نہ ہوگی جب تک ہز مجسٹی قیصر ہند اس کو تسلیم نہ کرلیں۔ نیز جانشینی کے مسئلوں پر اگر کوئی نزاع برپا ہو تو برٹش گورنمنٹ تنہا اس کا فیصلہ کرے گی۔ دیسی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں برٹش گورنمنٹ کو جو حق مداخلت حاصل ہے

وہ اس بات کی ایک دوسری مثال ہے کہ برطانوی تاج کو برتری حاصل ہے"
جیسا کہ ناظرین پر ظاہر ہے کہ مذکورۂ بالا بیان میں جو لارڈ ریڈنگ کے خط سے لیا گیا ہے تین اُمور پر بحث ہے۔ (۱) سند (۲) مسلہ جانشینی (۳) حقِ مداخلت ہم اِن تینوں پر نظر ڈالیں گے۔

اول تو "سند" یک طرفہ ہے کوئی معاہدہ نہیں جسے فریقین کی رضامندی سے نافذ کیا جاتا۔ دوسرے "سند" میں خود معاہدات کے احترام کا صریح تذکرہ ہے۔ تیسرے "سند" جس اِسپرٹ میں دی گئی وہ محض یہ تھی کہ ڈلہاوزی کی بدنام الحاق کی پالیسی کے ترک کرتے اور دیسی ریاستوں کو برقرار رکھنے کے لئے برطانوی حکومت کے منشار کے متعلق دیسی رئیسوں کو اطمینان دلانا تھا نہ کہ یہ نتیجہ پیدا کرنا کہ دیسی ریاستیں حکومتِ دہلی کی ماتحت ہیں۔ "سند" کے الفاظ یہ ہیں :-

"ملکۂ معظمہ کی خواہش ہے کہ ہند کے مختلف رؤسار اور حکمران اپنے جن علاقوں پر حکومت کرتے ہیں وہ سدا برقرار رہیں اور نیز اُن کے گھرانوں کی نمائندگی اور عظمت باقی رہے اسی بنار پر میں اس خواہش کی تکمیل میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اگر آئندہ حکومت کا قدرتی جانشین نہ ہو تو شرعِ اسلام کے لحاظ سے جو صحیح حق دار ہوگا وہی جانشین ہوگا "یقین فرمائیے کہ آپ سے کئے ہوئے اس عہد کو کوئی چیز توڑ نہ سکے گی جب تک کہ آپ کا گھرانہ تاج کا وفادار اور معاہدوں عطیوں اور عہدوں کا جن سے برطانوی حکومت پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے" پابند ہے۔ کیننگ ۱۱ مارچ ۱۸۶۲ عیسوی"۔

اس قسم کی "سندیں" سب رؤساء کو ملیں اور واضح ہے کہ اس کا منشاء محض تہنیت وغیرہ کو تسلیم کرنا ہے۔ بے شبہہ "تاج سے وفاداری" کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر اس کے بعد کا لفظ "معاہدوں کی پابندی" خود بخود تاج سے وفاداری کی اہمیت کو گھٹا دیتا ہے اور اس کے معنے بجز اس کے کچھ نہیں رہتے کہ حلیفی کے معاہدے پر حیدرآباد مستحکم رہے (سند مذکور ایچی سن جلد ۵ طبع اول سے لیگئی ہے)۔

ان معاہدات کے سلسلے میں ۱۸۰۰ء کا معاہدہ قابل ذکر ہے جس میں اب تک کوئی تبدیلی کسی اور معاہدے کے ذریعے سے نہیں ہوئی اور اب تک برقرار ہے اس کی دفعہ ۱۵ میں حضور نظام اقرار کرتے ہیں کہ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کو قبل از قبل اطلاع دینے اور اس کے ساتھ باہمی مشورہ کرنے کے بغیر کسی حکومت سے معاہدے کی گفت و شنید نہیں کریں گے۔ اس کے معاوضے میں "معزز ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت بذریعۂ ہذا اعلان کرتی ہے کہ ہز ہائینس کی اولاد، اقرباء، رعایا اور ملازموں سے اسے کسی قسم سے بھی تعلق نہیں ہے۔ ان کے متعلق اعلیٰحضرت کو اختیار مطلق حاصل ہے"۔ (مجموعۂ معاہدات ایچی سن جلد ۵ طباعت اول)

لارڈ ریڈنگ کا استدلال جانشینی کے متعلق اس طرح خود بخود کمزور ہو جاتا ہے۔ پھر یہ امر خود اپنی جگہ ایک واقعہ ہے کہ نہ تو آصفجاہ سادس کی جانشینی اور نہ آقائے ولی نعمت موجودہ شاہ دکن کی تخت نشینی کی منادی رزیڈنسی کی منظوری کے بعد ہوئی بے شبہہ مدار المہام وقت مہاراجہ کشن پرشاد بہادر (حال صدر اعظم) نے چاہا تھا کہ پہلے منظوری

مل جائے، بعد جلوس کی منادی ہو لیکن افتخار الملک شہاب جنگ مرحوم کے زور دینے سے فوراً آصفجاہ سادس کی وفات پر شاہ دکن سلطان العلوم کی جانشینی کی منادی کر دی گئی۔

تیسرے معاملہ مداخلت کے متعلق اگرچہ برطانیہ کو اس کا دعویٰ ہے مگر سرکار عالی نے اسے کبھی قبول نہیں کیا۔ تاریخ میں صرف ایک واقعہ ایسا ہے جس سے برطانیہ کو نظیر مل سکتی ہے اور وہ وقار الامراء کو شریک نائب السلطنت مقرر کرنا ہے۔ مگر یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب فرمانروائے وقت میر محبوب علیخاں حضرت غفران مکان کمسن تھے اور حکومت ہند کی دخل دہی اس خودساختہ مفروضے پر مبنی تھی کہ رئیس کی کمسنی میں ریاست کی متولی برطانیہ ہوگی۔ ظاہر ہے یہ مداخلت کسی طرح حق مداخلت کو جائز نہیں کرتی۔ اگر اس غیر موثر اور غیر متعلق نظیر کو نظر انداز کر دیں تو یہ واقعہ ہے کہ جب کبھی حکومت برطانیہ نے اندرونی معاملات میں "دخل" دیا تو وہ تحکم اور دخل دہی کے نام سے نہیں بلکہ "مشورت" کے نام سے ہوا۔ یہ مشورہ ایک حلیف ریاست کی بہبودی کیلئے رزیڈنسی سے محض غیر سرکاری طور سے دیا جاتا رہا۔ ظاہر ہے اس کی ضرورت اسی وقت تک رہیگی جب تک ملک خود قابل اور بیرونی مشورت سے مستغنی عہدہ دار نہ پیدا کرے۔

(۳) تیسری اور سب سے کمزور دلیل یہ ہو سکتی ہے کہ برٹش انڈیا کے بادشاہ کا لقب قیصر ہند (ایمپرر آف انڈیا) ہے۔ اس دلیل کے تحت فرانسیسی اور پرتگالی ہند کو بھی برطانیہ کے ماتحت ہونا چاہیئے اور نیپال اور بھوٹان کی خود مختاری کو بھی غلط قرار دینا چاہیئے۔ جب ایسا نہیں ہو سکتا تو پھر اس دلیل کے ذریعے سے حیدرآباد کی ماتحتی کس طرح ثابت ہو سکتی ہے

دراصل خطاب قیصر ہند محض رسمی اور اعزازی ہے۔ اس میں کوئی خاص سیاسی معنے پوشیدہ نہیں جیسا کہ خود برطانوی پارلیمان میں اس خطاب کے مقرر کرتے وقت وزرائے برطانیہ نے تصریح کردی ہے[1]۔

اب تک صرف منفی پہلو سے بحث ہوتی رہی اس کا مثبت پہلو بھی ہے کہ حیدرآباد خود مختار ہے۔

پریوی کونسل نے متعدد فیصلوں خاصکر یوسف الدین (عہدہ دار حیدرآباد) بنام قیصر ہند میں صاف فیصلہ کیا ہے کہ حیدرآباد کو قانونی اقتدار اعلےٰ (لیگل ساورینٹی) حاصل ہے۔ اس حد تک حیدرآباد کسی بیرونی قوت کا ماتحت نہیں۔ زمانۂ حال کی متمدن حکومتوں کی خود مختاری کی دو ظاہری نشانیاں ڈاک اور سکہ بھی الحمدللہ حیدرآباد کے اپنے مستقل ہیں۔ گو کئی مرتبہ ان کے ختم اور معدوم کرنے کی برٹش انڈیا نے کوشش کی (جیسا کہ اور دیسی ریاستوں میں ہوا) مگر ہمیشہ حیدرآباد کے انکار پر اصرار نے اس ناپاک کوشش کو بفضلہ تعالیٰ ناکام ہی رکھا۔ ڈاک کے متعلق حیدرآباد کو جو حیثیت حاصل ہے اس کا اظہار یوں بھی ہوتا ہے کہ جس طرح ایک خود مختار بادشاہ یا اس کا سفیر دوسرے ملک میں جائے تو جہاں کہیں وہ موجودہ مقام اس کے قیام تک اُسی کے ملک کا حصہ سمجھا جاتا ہے (اس قاعدے کو اکسٹرا ٹری ٹوریالٹی کہا جاتا ہے) حیدرآباد کی پبلک کو معلوم رہنا چاہئیے کہ عہدہ داران سرکاری جب مثلاً بنگلوری وغیرہ جاتے ہیں تو نہ صرف ان کو سرکاری کاغذات حیدرآباد سے آصفی ٹکٹ لگا کر بھیجے جاتے بلکہ وہ خود برٹش انڈیا کے مسکن سے حیدرآباد کو کوئی سرکاری کاغذ بھیجتے ہیں تو اس پر صرف حیدرآباد ہی کی سرکاری ٹکٹ لگائی جاتی ہے انگریزی

---

[1] دیکھئے تعلیق صفحہ ۱۴۲

نہیں۔ حالیہ سفر ہائے شاہانہ کے سلسلے میں کیمپ شاہی کا ڈاکخانہ حیدرآبادی ٹکٹ فروخت کرتا تھا! ورنہ دہلی، مدراس اور کلکتے کی پبلک نے بھی وہاں سے حیدرآباد کے ٹکٹ، لفافے کارڈ وغیرہ حیدرآباد کی پبلک کو خط بھیجنے میں استعمال کئے۔ اِن پر کوئی اور برٹش انڈیا کے ٹکٹ کی ضرورت نہ تھی۔ گو عام طور سے حیدرآباد کی ڈاک کے ٹکٹ برٹش انڈیا نہیں جاسکتے ہیں (اسکی آگے بحث ہوگی) لیکن سرکاری ٹکٹ اب بھی برابر جاتے ہیں۔ پچھلی بہم کے متعلق جو معاہدہ سرکارین ہوا اس میں دفعہ ۲ اس بحث پر ہے کہ حیدرآبادی بیڑے پر حیدرآبادی جھنڈا لہرائے گا۔ اور اس کو وہی مراعات ملیں گے جو کسی دوست ترین خود مختار سلطنت کے جہاز اور جھنڈے کو ملتے ہیں۔

یہاں تک تو ذکر موقف (Status) کا ہوا۔ باہمی تعلقات کی حد تک موجودہ حالت یہ ہے کہ باوجود برٹش انڈیا میں کونسل سسٹم کے رواج کو صدیاں گزر گئیں لیکن دیسی ریاستوں کے تعلقات راست نمائندۂ قیصر ہند (وائسرائے) سے رہے ہیں۔ اور ان معاملات میں وائسرائے کی کونسل کو کبھی دخل یا اثر نہ رہا۔ اگر کبھی خود وائسرائے چاہتا تو کونسل کا کسی اہم مسئلے میں مشورہ لیتا مگر پھر بھی اس کا اور امور کی طرح پابند نہ ہوتا حیدرآباد میں رزیڈنٹ سفیر کی خدمت بجالاتا ہے۔ حیدرآباد کا سفیر گو فی الوقت دہلی یا شملے میں نہیں ہوتا ہے، لیکن پھر بھی مراسلت راست وائسرائے کے نام بھیجی جاتی رہی ہے۔ گویا سفیر حیدرآباد نے مراسلت خود وائسرائے کے حوالے کی۔ جیسا کہ تصفیہ ہوچکا ہے حیدرآباد کا رزیڈنٹ دونوں کاموں کو انجام دے گا۔

آئندہ سیاسی تعلقات

قبل اس کے کہ ہم حیدر آباد کی ضروریات اور مطالبات کی بابت وار تفصیل کی کوشش کریں ایک امر شروع ہی میں واضح کر دیا جانا ضروری ہے۔ گو ہم اکثر امور میں محض معاہدات کی پوری تعمیل میں زور دیتے ہیں لیکن بعض امور کی حد تک ہم معاہدات طے شدہ کی نظر ثانی پر بھی اصرار کرتے ہیں عجیب معلوم نہ ہو۔ خاص کر حکومت برطانیہ کو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ بہ حیثیت رکن مجلس اقوام حکومت برطانیہ مجلس اقوام کے دستور کی پابند ہے۔ دستور مجلس اقوام کی دفعہ ۱۹ یہ ہے :-

"مجلس اقوام وقت بوقت اپنے ارکان کو مشورہ دے گی کہ وہ اُن معاہدات کی نظر ثانی کریں جو ناقابل عمل ہو گئے ہیں۔ اور اُن بین الاقوامی حالات پر لحاظ رکھیں تاکہ استمرار پر اصرار امن عالم کے لئے خطرہ نہ بنے" دستور مجلس اقوام کا ایک اور فقرہ ہے جس میں ارکان مجلس اقوام کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ مجلس اقوام کی اسپرٹ کے خلاف کوئی معاہدہ نہ کریں۔ (مخفی معاہدے کالعدم ہیں) اور اگر ایسے معاہدے ہو چکے ہیں جن میں ایک فریق بے جا فائدہ اٹھاتا ہے اور دوسرا نقصان، تو جلد سے جلد ایسے معاہدوں کی اصلاح کر دی جائے۔ خ ۲۰

اِن امور کے پیش نظر یہ توقع بیجا نہ ہو گی کہ حیدر آباد کے مطالبے

ہمدردانہ غور و تائید کے مستحق ہیں۔

مراتب اعزاز

سب سے پہلا امر یہ ہے کہ حکمران حیدرآباد کے مراتب شاہانہ کا لحاظ خاص توجہ کا مستحق ہے۔ جب کہ یورپ کے چھوٹے سے چھوٹے حکمران کو بھی ہز مجسٹی سے مخاطب کیا جاتا ہے اور اس کا اور اس کے خاندان کا وہی اعزاز بین الاقوامی طور سے ملحوظ رکھا جاتا ہے جو کسی بڑے سے بڑے ملک کے حکمران کا۔ حیدرآباد میں آصفجاہ پنجم کے عہد تک بہت کچھ مراتب اعزاز ملحوظ رکھے جاتے تھے۔ لیکن ان کے بعد حضرت غفران مکان (آصفجاہ ششم) کی کم سنی کے باعث بہت سے مراتب تہہ کر دئے گئے۔ حیدرآباد ایک بہت بڑی سلطنت ہے اس کے تحت تو ایسے ایسے جاگیردار، سمستان دار ہیں جو بجائے خود برٹش انڈیا کی بہت سی ریاستوں سے رقبے اور آمدنی میں بڑھے ہوئے ہیں۔ حیدرآباد کے تحت خود کئی ہز ہائینس کا خطاب رکھنے والے سلاطین و حکمران ہیں۔ (دیکھئے نظام گزٹ خیر مقدم نمبر) ایسی حالت میں حیدرآباد کا یہ مطالبہ بے جا نہیں سمجھا جا سکتا کہ شاہ دکن کو ہز مجسٹی سے مخاطب کیا جائے۔ اور آپ کی سلامی بجائے اکیس توپوں کے اکتیس توپوں کی قرار دیجائے۔

سرکارین کے تعلقات

حیدرآباد کے جو معاہدے ایسٹ انڈیا کمپنی اور اسکی جانشین حکومت ہند سے

ہوئے اُن کے متعلق یہ نہ صرف حیدرآباد کا مطالبہ ہے بلکہ خود بٹلر کمیٹی کی سفارش ہے اور ایوان رؤسائے ہند کی تائید یافتہ ہے کہ ان کا تعلق تاج برطانیہ ہی سے رہے گا۔ دیسی ریاستیں برٹش انڈیا کی مجلس قانونی کی ماتحت نہیں ہونگی۔

پھر بھی چونکہ برٹش انڈیا اور حیدرآباد کے سیاسی اور معاشرتی معاملات ملے جلے ہیں اس لئے اِن کے باہمی تعلقات کا کوئی نہ کوئی موجودہ انتظامات سے بہتر انتظام ہونا چاہیئے۔ کچھ دنوں پہلے تک حیدرآبادی سفیر کلکتے میں (جو اُس وقت پایۂ تخت تھا) اور انگریزی سفیر حیدرآباد میں رہتا تھا لیکن پھر موزوں افراد نہ ملنے سے سفیر حیدرآباد کا عہدہ حذف کر دیا گیا۔ اور برطانوی سفیر کی دُہری حیثیت ہوگئی۔ مگر زمانۂ حال کی ترقیات اور ضروریات کے مدنظر بیش از پیش اس بات کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ حیدرآبادی سفیر دہلی میں مستقل طور سے مقرر ہو تاکہ باہمی مراسلات و معاملات بہتر طریقے پر طے ہوں۔ اس کے لئے بفضل خدا ملک میں قابل سے قابل افراد مل سکتے ہیں جن پر سرکارین کو اعتماد ہو۔

حیدرآباد کی بڑھتی ہوئی معاشی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کی متعدد ریلوں کا راستہ حیدرآباد میں سے گزرتا ہے۔ پشاور ٹرنک ریلوے میسور مرہٹہ ریلوے بمبئی مدراس ریلوے غرض متعدد بین الاقوامی راستے حیدرآباد میں سے گزرتے ہیں حیدرآباد کی خود سرکاری ریلیں ڈیڑھ ہزار میل کے لگ بھگ طویل ہیں۔ ایسے حالات میں اس کی ضرورت روز افزوں ہے کہ حیدرآباد کے چند قونسل بمبئی مدراس، شولاپور، لندن وغیرہ میں متعین ہوں اور اورنگ آباد، ناندیڑ، گلبرگہ، بیدر وغیرہ میں برٹش انڈیا کی حکومت کے قونسل مقرر ہوں۔ اس سے ہر دو ممالک کے معاشی معاملات

کی فلاح و بہبود مقصود ہے ۔

قانون

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حکومتِ حیدر آباد کا قانونی اقتدار اعلیٰ پریوی کونسل تک سے مسلم ہو چکا ہے ۔ یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ حیدر آباد میں دیوانی و فوجداری قوانین ویسے ہی ترقی یافتہ اور عصری ہیں جیسے برٹش انڈیا کے کیونکہ دراصل وہی کے قوانین عموماً لفظی ترجمے کی صورت میں یہاں نافذ ہیں ۔ یہاں کے حکامِ عدالت کی قابلیت کی جسٹس بیلے (جج مدراس ہائیکورٹ جو ایک کمیشن میں حیدر آباد کی جانب سے مستعار لئے گئے تھے) نے بڑی تعریف کی اور ہر طرح اعلیٰ معیار کی بتایا ہے ۔ سب سے بڑی بات یہاں کی عدالتی انصاف پروری کی حکامِ مال سے اختیاراتِ عدالت کا الگ کر دیا جانا ہے ۔ ایسی حالت میں حیدر آباد کو ہر طرح اس مطالبے کا حق ہونا چاہیئے کہ بدنامِ آفاق طریقۂ مراعاتِ خصوصی کا خاتمہ ہو اور یورپی امریکی باشندے پوری طرح حیدر آبادی عدالت کے زیر اختیار ہو جائیں ۔ اور یہ اصول ترک کر دیا جائے کہ اُن کے مقدمے کی سماعت صرف انگریزی جج کر سکیں ۔ عدالتی مراعات ترکی، ایران، چین، اور عراق میں ختم کر دیے گئے یا کر دیئے جا رہے ہیں ۔ اور اُن سے کسی قسم کی شکایات نہیں پیدا ہوئی تو حیدر آباد کا زیادہ عرصہ اس سے محروم رہنا دیسی اور مراعات یافتہ باشندوں میں تعلقات کی کشیدگی کو بڑھانا ہے ۔

اسی سلسلے میں ایک اور بات حدودِ ریلوے کے عدالتی اختیارات ہیں ۔ جب تک ریلوے ایک کمپنی کے زیرِ انتظام تھی اُس وقت تک کسی نہ کسی طرح

سے گوارا کر لیا گیا کہ ریلوے جورِس ڈکشن گورنمنٹ آف انڈیا کو حاصل رہے لیکن اب جبکہ ریلوے سرکاری ہو چکی ہے اور میسور وغیرہ تک میں ریلوے جورِس ڈکشن ریاستِ متعلقہ کو حاصل ہے تو حیدر آباد کے مطالبے کو بے جا کہنا بہت مشکل ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ ریلوے مجسٹریٹ ایک مستقل عدالت سے متعلق ہوں اور ریلوے کے مقدمات اسی عدالت میں جائیں تاہم اصولاً اُسے حکومتِ حیدر آباد کے ماتحت ہونا چاہیئے۔

خارجی تعلقات

سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدے میں سرکارِ عالی نے وعدہ کیا تھا کہ خارجی تعلقات انگریزی حکومت کے مشورے کے بغیر قائم نہ کرے گی۔ مگر اس کے معنے یہ نہ ہونے چاہئیں کہ تعلقات قائم ہی نہ کئے جا سکیں۔ کشمیر کی حکومت کے خارجی تعلقات پر کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ حیدر آباد کو بعض ممالک سے تعلقات قائم کرنے کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ چنانچہ ہر سال حیدر آباد سے نہ صرف خانگی بلکہ ایک سرکاری قافلۂ حجاج بھی حجاز و دیگر مقامات مقدسہ کو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں کم از کم حکومتِ حجاز و عراق سے تعلقات دوستانہ قائم کرنے ضروری ہیں۔ بندرگاہ مچھلی پٹم میں حیدر آبادی بحریہ قائم ہونے پر تو شاید اس میں مزید توسیع کی ضرورت ہوگی۔

ڈاک اور تار

حیدر آباد اور برطانیہ میں ڈاک کے متعلق یہ معاہدہ ہے کہ ماورائے بحری (اوور لینڈ) خطوط سرکارِ عالی ممالک محروسہ میں بلا مزید معاوضہ

اپنے ڈاک خانوں کے ذریعہ تقسیم کریگی حیدرآباد اور برٹش انڈیا کے متعلق معاہدہ یہہ ہے کہ برٹش انڈیا کے خطوط پر حیدرآباد اپنا مزید محصول وصول کرسکیگا اسی طرح حیدرآبادی خطوط پر برٹش انڈیا کی ٹکٹ چسپاں نہ ہو تو وہاں مزید محصول مرسل الیہ سے ملنے پر تقسیم ہوسکیں گے۔ جب دونوں کو محصول وصول کرنے کا حق ہے تو کیوں نہ سہولت کے لئے دونوں ترکِ محصول پر رضامند ہوجائیں۔ حیدرآباد نے اسی توقع سے کچھ عرصے سے اپنے محصول کو وصول کرنا خود اپنی مرضی سے بلا جبر و اکراہ ترک کردیا ہے جس سے سالانہ کم و بیش ایک لاکھ کا نقصان ہو رہا ہے۔ اس لئے یہ توقع بے جا نہ ہوگی کہ برٹش انڈیا کی حکومت بھی اس کے معاوضہ میں اپنے حقِ محصول سے دست بردار ہوجائے جس سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں مزید قربت اور اضافہ ہوسکتا ہے۔ (معاہدے میں صراحت ہے کہ ہم ایک سال کی نوٹس دے کر اسے ختم کرسکتے ہیں۔ اس آخری حربے کو استعمال کرنے پر مجبور کرنے کی جگہ دوستانہ نظرثانی کیا اچھی نہ ہوگی؟)

ڈاکخانوں کا لازمہ تار برقی ہیں۔ اور حیدرآباد کا پُرزور مطالبہ ہے کہ اب جبکہ حیدرآبادی ریلوے خود حیدرآباد کی سرکاری ملک ہوچکی ہے تو پھر تار برقی کے سرکاری ہونے میں دیر نہ ہونی چاہیئے۔ اور ساتھ ہی اندرونِ ملک ڈاکخانوں میں تار برقی کا سلسلہ قائم کرنے کی ممانعت نہ ہونی چاہیئے۔

ڈاک کے سلسلے میں ایک اور امر یہ قابلِ ذکر ہے کہ جس طرح سکندرآباد، ریزیڈنسی وغیرہ پر حیدرآباد کا اقتدارِ اعلیٰ قائم ہے اور وہاں حیدرآبادی ٹیپہ اور سکہ مروج ہے اسی طرح برار اور شمالی سرکار میں بھی ہونا چاہیئے۔ برار اور شمالی سرکار گورہ فوج کے اخراجات کی ضمانت میں تفویض کئے گئے ہیں اول الذکر کی آمدنی

کی بچت سے پچیس لاکھ سالانہ اب بھی وصول ہوتے ہیں اور آخرالذکر کی بچت سے پالمر کمپنی کے قرضے کے سلسلے میں سرکار عالی دست بردار ہو چکی ہے مگر ہر دو علاقوں پر حیدرآبادہی کا قانونی اقتدارِ اعلیٰ اب بھی قائم ہے۔ اور برار میں ہر سال سالگرۂ خسروی کی تعطیل اور حیدرآبادی جھنڈا اڑایا بھی جاتا ہے۔ ان حالات میں ان مقامات پر حیدرآبادی ڈاک اسی طرح چلنی چاہیئے جس طرح ممالک محروسہ مع مفوضہ رقبہ جات رزیڈنسی وسکندرآباد وغیرہ میں۔

بحری محاصل اور نمک و افیون کے اجارے

حیدرآباد اِس وقت کسی طرف بھی سمندر سے ملا ہوا نہیں ہے۔ مگر حیدرآباد کو کثیر مال سمندر کی راہ سے آتا ہے اس پر بمبئی وغیرہ میں برطانوی حکومت اپنا محصول وصول کرتی ہے اور حیدرآباد میں دوبارہ سرکار عالی کو محصول وصول کرنا پڑتا ہے۔ معاہدات کے لحاظ سے برطانوی حکومت کو سرکار عالی جانے والے مال پر محصول وصول نہ کرنا چاہیئے۔ اس بارے میں معاہدات کی پوری پابندی حیدرآبادی فریق تو کر رہا ہے دوسرے فریق کو بھی پوری طرح کرنی چاہیئے۔

نمک و افیون کے اجارے برٹش انڈیا کی حکومت نے خاص اپنے تحت لے لئے ہیں۔ جن کی وجہ سے حیدرآباد کو سخت نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ برٹش انڈیا کے محاصل نمک و افیون میں حیدرآباد کا بھی حصّہ استحقاقاً ملنا چاہیئے (ورنہ ایک سال کی نوٹس پر اختتام معاہدہ کا حق استعمال کرنا چاہیئے)

علاقہ جاتِ مفوضہ

آخر میں ہم برار کے تکلیف دہ مسئلے کو چھیڑتے ہیں۔ لارڈ ریڈنگ نے

اپنے جواب میں حیدر آباد کے دلائل استرداد سے کوئی بحث نہیں کی ہے۔
صرف دعوائے مساوات اور امرِ منفصلہ پر مکرر غور سے انکار کیا ہے۔ ظاہر ہے
اس سے اصل مقدمے پر اثر نہیں پڑتا۔

ارل رانلڈشے (حال مارکوئیس آف زٹلینڈ) نے لارڈ کرزن کی
مستند سوانح عمری" حصۂ دوم باب "برار" میں صاف تسلیم کیا ہے کہ
حیدر آباد کو برار کی واپسی کا پوری طرح اختیار تھا لیکن لارڈ کرزن نے
جب اس کے برخلاف یہ یقین دلایا کہ برار کبھی واپس نہیں کیا جائے گا تو
اس وقت حضرت غفران مکان نے جدید تجاویز کو قبول کیا۔ جو مفت جانے
سے کچھ معاوضہ لینا بہتر کے مصداق تھا۔ اس قبولیت کو امر منفصلہ
(ریس یوڈی کاٹا) کہنا شاید ہی کوئی عدالت قبول کرے۔

بہر حال برار کی واپسی سے حیدر آباد کو برطانیہ کی دوستی پر جو شبہ پیدا
ہو چلا ہے پوری طرح دُور ہو جائے گا۔ اور یار وفادار کی قیمتی دوستی سے
حکومتِ برطانیہ بدستور بیش از بیش فائدہ اُٹھا سکے گی خصوصاً جب کہ
یہ واپسی کسی عطیے کے طور پر نہیں بلکہ حقیت اور ملکیت کے تحت ہو اور
اس کے معاوضے میں ایک گراں قدر دوستی میں استحکام پیدا ہوتا ہو۔

۱۷۵۹ء کے معاہدے کے ذریعے سے عطا کردہ سرکار
مچھلی پٹم سرکار نظام پٹم وغیرہ کی حیثیت حسب معاہدہ محض انعام کی ہے
۱۷۶۵ء میں مدارا بطور انعام عطا شدہ شمالی سرکار کے علاقے کا
استرداد بھی اصولاً ضروری ہے۔ جب حکومتِ انگلستان اپنے فرائضِ
امانت سے جو ہند کے متعلق ہیں دست بردار ہو رہی ہے اور حقوق
اصلی حقداروں کے سپرد کر رہی ہے تو پھر مچھلی پٹم و شمالی سرکار وغیرہ کا

علاقہ جو اس کے پاس امانت ہے حیدر آباد کو واپس کرنا کسی طرح نامناسب نہیں سمجھا جا سکتا کیوں کہ ان کی حیثیت ایک انعامی جاگیر سے بڑھ کر نہیں ان پر بہر حال سلطنی کا اقتدار اعلیٰ برقرار رہتا ہے۔

رزیڈنسی[1] اور سکندر آباد کے وسیع زیر انتظام رقبوں کا استرداد بھی اس کا ایک جزو ہے۔ اس سے نہ تو انتظامات میں کوئی خلل آسکتا ہے اور نہ مشکلات کی کوئی تولید ہو سکتی ہے۔

فوج کے متعلق کوئی خاص مطالبہ نہیں ہے، بجز اس کے کہ اس کے عصری ضروریات سے سربراہ ہونے میں کوئی ممانعت نہ رہنی چاہیئے اور نہ اس کی تعداد پر کوئی تعیینی قید۔ حیدر آباد نے اپنا توپ کا سانچہ اور مرمت کا کارخانہ محض اس وعدے پر برخاست کیا کہ عصری اسلحہ برطانیہ مہیا کرے گی۔ ایسی حالت میں جدید ترین اسلحہ اور لاسلکی اور ہوائی جہازوں اور جنگی جہازوں سے حیدر آباد کا بہرہ ور ہونا نہ صرف حیدر آباد کے لئے بلکہ اس کی حلیف حکومت برطانیہ کے لئے بھی بوقتِ ضرورت مفید و ممد ہو سکتا ہے جس کے سلسلے میں بہت سے انگریز معلم وغیرہ عرصے تک حیدر آباد میں روزگار پا سکتے ہیں۔ اور حیدر آباد کی مجوزہ منظورہ ملٹری کے جلد از جلد وقوع میں لانے سے مزید براں فوائد حاصل ہو سکتے ہیں اخذو عطار کی پالیسی سے کوئی نقصان میں نہیں رہ سکتا۔

خراجِ میسور اس سے ہر شخص واقف ہے کہ موجودہ ریاست میسور دراصل نصف حیدر آباد کی اور نصف برطانیہ کی مملوکہ ہے۔ مگر دونوں نے ایک جدید مستقل ریاست کا قیام منظور کر لیا جو ٹیپو سلطان کی

---

[1] اب رزیڈنسی واپس ہو چکی ہے (ناشر)

شہادت کے بعد سے اب تک قائم ہے۔ ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ برطانیہ اِس کا الحاق کر لینا چاہتی تھی۔ مگر سالار جنگ اعظم کی توجہ پر کہ "ایسی صورت میں نصف علاقہ حیدرآباد سے ملحق ہونا چاہیئے" یہ کارروائی ملتوی کر دی گئی مگر یہ امر سمجھ میں نہیں آتا کہ ریاست میسور سے جو خراج وصول کیا جاتا ہے اور کیا جاتا رہا ہے اُس کی تنہا مستحق حکومت ہند کس طرح ہے؟ حیدرآباد اِس مطالبہ میں حق بجانب ہے کہ اِس میں اُس کا حصہ بھی برابر کا ہونا چاہیئے۔

مسلمانانِ ہند

برٹش انڈیا کی اسلامی آبادی کے متعلق حکومت برطانیہ کے مکمل اقتدار اعلیٰ کا اعتراف کرتے ہوئے حیدرآباد چند امور پر توجہ دلانی چاہتا ہے چونکہ حیدرآباد ایک اسلامی ریاست ہے اور اس طرح اِسے مسلمانوں خاص کر ہندوستانی مسلمانوں کی فلاح و بہبود سے خاص دلچسپی ہے اِس لیئے اِس کا مشورہ ہے کہ آئندہ بھی مسلمانوں کے قانونِ شخصی کے غیر متاثر ہونے کا اطمینان دِلایا جائے۔ اور قانونِ شخصی کے تحت پیش آنے والے مقدمات کی مستقل عدالتیں قائم ہوں اور ایک مرکزی عدالت بھی خاص قانونِ شخصی کے متعلق ہو جس میں مسلمان قاضی مسلمانوں کے مقدماتِ شخصی اسلامی شریعت کے مطابق فیصل کریں۔ یہ حقوق مسلمانوں کو دنیا کی تقریباً تمام مہذب غیر اسلامی حکومتوں میں حاصل ہیں۔ اور ان سے حکومتِ متعلقہ کے اقتدار اعلیٰ پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ اسلامی اوقاف کا ایک مستقل سررشتہ قائم ہو جو مسلمانوں کی خالص دینی تعلیم کا بھی کفیل ہو۔

بین الاقوامی معاہدے ہمیں حالیہ تاریخ میں ایسے بھی ملتے ہیں جن میں کسی قوم کی ہم مذہب حکومت کو اس قوم کا دوسری مملکت میں بھی نگران تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ ترکی عیسائی آبادی کے متعلق ایسے معاہدے ہوئے ہیں۔ یہ امر شاید مطالبہ بے جا نہ ہو کہ مسلمانان ہند کے متعلق بھی کسی اسلامی دوست دار حکومت کو نگہبانی عطا کی جائے جو ان کی نمائندگی کر سکے۔ اور ان کی ضروریات کا لحاظ رکھ سکے۔

(منقول از نظام گزٹ ہفتہ وار حیدرآباد جلد ۳ عدد ۱۵ مورخہ ۲۵ امرداد ۱۳۳۹ف ص ۳ تا ۶)

تعلیق ص ۳۵:-

۵۔ ۱۸۷۶ء میں جب آنجہانی ملکہ وکٹوریہ نے قیصر ہند کا لقب اختیار کیا تو بیت العوام میں مسٹر گلیڈسٹون نے دریافت کیا تھا۔

"میرا ایقان ہے کہ ہندوستان میں ایسی ریاستیں اور رؤسا ہیں جن پر ہم نے ہرگز تسلط حاصل نہیں کیا۔ خواہ ہماری قوت و طاقت کتنی ہی برتر کیوں نہ ہو۔ ہم رائٹ آنریبل جنٹلمن (وزیر اعظم) سے یہ دریافت کرنے پر مجبور ہیں کہ کیا وہ اپنی ذمہ داری پر یہ ضمانت اور یقین دلا سکتے ہیں کہ ہندوستان کے دیسی رؤسا کی حالت میں اس مسودے سے کوئی تغیر نہ ہوگا؟"

مسٹر ڈسرائیلی وزیر اعظم نے جواب دیا کہ خطاب کا یہ تغیر ہندوستان کے دیسی رؤسا کے حقوق اور ان کے وقار یا اعزاز کو کسی کم سے کم حد تک بھی متاثر نہیں کرتا۔ (مترجمہ خلیق احمد نعمانی)

(بحوالہ روزنامہ وقت حیدرآباد، خود مختاری نمبر ۲۹ رجب ۱۳۴۹ھ ص ۶)

حیدرآباد کی آئینی حیثیت معاہدات کی روشنی میں

جناب حکیم محمد اسمٰعیل صاحب کا وہ مضمون ذیل میں درج کیا جاتا ہے جو مقابلے میں ایک سو روپیہ کے انعام کا مستحق قرار پایا ہے

عملدرآمد جس طرح خود بخود شروع ہوتا ہے اسی طرح خود بخود ختم بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اصولِ قانون میں اس کی وہ اہمیت نہیں تسلیم کیجاتی جو قانونِ موضوعہ کی ہوتی ہے۔ معاہدات کے ذریعے سے حقوق اور ذمہ داریوں کا پیدا ہونا اسی آخرالذکر قسم میں داخل ہے۔ بے شبہ یہ معلوم کرنا یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا کہ عملدرآمد سے اور دیگر مختلف الانواع ذرائع سے کام لینے کے باوجود حیدرآباد کی حیثیت اس وقت کیا ہے۔ لیکن اس کا موقع یہاں نہیں ہے یہاں صرف یہ دیکھنا مطلوب ہے کہ حیدرآباد کی حیثیت سیاسی اور معاشی نقطہ ہائے نظر سے جذبات کے اندھیرے سے ہٹ کر معاہدات کی روشنی میں کیا ہے؟

اس سلسلے میں مختصر طور سے چند فصلوں میں اقتدارِ اعلیٰ، مراتب اعزاز، قیادت مسلمانانِ ہند، ڈاک، بحری محصول درآمد، انعامی جاگیروں اور فوج کا ذکر کیا جائے گا۔ البتہ اس کا یہاں یہ اعتراف ضروری ہے کہ ان میں سے اکثر چیزوں پر بارہا مفکرین ملک نے روشنی ڈالی ہے ان کے خیالات کو یکجا کرنا ہی راقم الحروف کا "کارنامہ" ہے۔

اقتدارِ اعلیٰ

اقتدارِ اعلیٰ اُن انتہائی اختیارات کا نام ہے جو کسی آزاد اور خود مختار ملک کو حاصل ہوتے ہیں اور صلح نامہ ویسٹ فالیا منعقدہ ۱۶۴۸ء کے مطابق اب تمام متمدن دُنیا میں اقتدار رکھنے والی مملکتوں کو مساوی حیثیت اور مرتبہ کا سمجھا جاتا ہے۔ چاہے وہ انگلستان کی طرح چاروں طرف کھلے سمندر سے یا سان مارینو کیطرح چاروں طرف اٹلی کی سرزمین سے گھری ہوئی ہوں۔ یا جرمنی کی طرح چند طرف سمندر سے اور باقی اطراف میں مختلف مملکتوں سے متصل ہوں۔ یا آسٹریا اور سوئٹزرلینڈ اور افغانستان کی طرح سمندر سے دور اور مختلف ممالک میں گھری ہوئی ہوں اسی طرح چاہے ان کا پورا علاقہ یکجا ہو یا دنیا کے مختلف حصوں میں بٹا ہوا ہو، اور رقبہ چند میل کا ہو یا چند لاکھ کا ــــ ان اختلافات سے اُن کی باہمی قانونی مساوات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اسی بنا پر یہ ماننا پڑے گا کہ حیدرآباد کا بڑا حصہ اگرچہ جمہوریہ سان مارینو کی طرح چاروں طرف ایک ہی مملکت سے گھرا ہوا ہے لیکن اس سے اُسکی خودمختاری متاثر نہیں ہو سکتی۔ ورنہ برطانوی ہند کے بھی بعض اضلاع اور تعلقات مملکت آصفیہ کے اندر گھرے ہوئے ہیں جس طرح اسپین کا صوبہ لیویا فرانس کے اندر واقع ہے۔ مگر حیدرآباد کی مملکت صرف جنوبی ہند ہی میں نہیں ہے۔ چونکہ ہز ہائینس سلطان مُکلّا و شحر حیدرآباد کی رعیت اور ملازم ہیں اس لئے جنوبی عرب کی سلطنت مُکلّا و شحر بھی حیدرآباد ہی کے زیرِ اقتدار سمجھی جائے گی۔

اصولِ قانون میں اقتدارِ اعلیٰ کا اقتضاء یہ سمجھا جاتا ہے کہ ملک کی ہیئتِ حاکمہ کو قانون سازی، عدل گستری کے اور خارجہ تعلقات کے غیر محدود اختیارات حاصل ہوں اور ان امور کی حد تک کوئی دوسری مملکت دخل دہی نہ کر سکے۔ البتہ قانونِ بین الممالک کی پابندی چونکہ ہر مہذب متمدن ملک پر لازمی ہوتی ہے اس لئے کبھی بھی غیر محدود اختیارات کے معنی مطلق آزادی کے نہیں ہوتے۔ دوسروں کے حقوق کا احترام خاص کر معاہداتی اقرارات خود مختار اور طاقتور سے طاقتور ملک پر بھی پابندیاں اور تحدیدات عائد کرتے ہیں۔ "منرو ڈاکٹرین" اس کی انتہائی مثال ہے کہ کسی ملک کی آزادیٔ عمل پر سخت ترین بندش قائم کرنے کے باوجود متعلقہ ممالک کی آزادی غیر متاثر ہی رہتی ہے۔

قانون سازی اندرونی اقتدارِ اعلیٰ کا سب سے بڑا جزو ہے اور سوائے تحویلِ ملزمین اور مماثل پابندیوں کے جو برطانوی ہند، بھوپال، پٹیالہ وغیرہ ممالک کے ساتھ معاہدات کی بناء پر عائد ہیں ــــ (اور جو فریقِ ثانی پر بھی مساوی پابندیاں عائد کرتی ہیں) ــــ کسی معاہدے کے تحت حیدرآباد نے کوئی اقتدارِ اعلیٰ کے منافی شرط قبول نہیں کی ہے۔

عدل گستری کے سلسلے میں بے شک ۱۰ جنوری ۱۸۶۱ء کے ایک فرمان مبارک کے مطابق متامن یوروپیوں کے (جو ملازم یا ما تحت حیدرآباد نہ ہوں) تنازعات میں جن میں فریق ثانی کوئی دیسی باشندہ ہو مقدمے کی سماعت کا مجاز بجز رزیڈنٹ کے یا اس کے جسے وہ اختیار عطا کرے کوئی اور نہیں قرار دیا گیا تھا لیکن ضابطۂ فوجداری سرکارِ عالی کے نفاذ سے اس میں ترمیم کی گئی ہے اور ایسے مقدمات میں کوئی اور ملازم سرکارِ عالی

(جواب تک عموماً ایک انگریز ہی ہوتا آیا ہے) اِس کا مجاز قرار پایا ہے، لیکن سزا دہی کے لئے حیدرآبادی قانون ہی برتا جاتا ہے۔ یہ اُن مراعاتِ خصوصی میں شامل ہیں جن کی نظیریں ترکی، ایران، حبشہ وغیرہ کی مسلّمہ طور سے خود مختار سلطنتوں میں بھی حال حال تک خاص ممالک کے باشندوں کو حاصل رہیں۔ ان مراعات سے اقتدارِ اعلیٰ کبھی متاثر نہیں سمجھا گیا۔

خارجہ تعلقات کے سلسلے میں مخاصمانہ اور مصالحانہ دو قسم کی حالتیں ہوتی ہیں۔ سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدے کے فقرہ (۱۶) کی رو سے حیدرآباد نے اقرار کیا ہے کہ وہ آئندہ کسی پر تعدّی اور جارحانہ جنگ کا اقدام نہیں کریگا سنہ ۱۸۱۵ء میں سوئٹزر لینڈ نے سنہ ۱۸۳۱ء میں بلجیم نے اور سنہ ۱۸۶۷ء میں لگزمبورگ نے بھی ایسے اقرار کئے جن میں سے سوئٹزر لینڈ کا معاہدہ اب بھی نافذ ہے۔ سنہ ۱۹۲۸ء کے "کیلاگ پیکٹ" کے تحت بھی دنیا کی درجنوں مملکتوں نے ایسا ہی اقرار کیا۔ زمانۂ حال کے "نان اگریشن پیکٹس" ایک دو نہیں بیسیوں ہیں اور ان سے کوئی ملک کسی کا ماتحت نہیں ہو جاتا۔

اسی سنہ ۱۸۰۰ء کے فقرہ ۱۶ کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو جنگوں یا جھگڑوں میں جو حیدرآباد سے کسی ملک کے ساتھ ہوں کمپنی سے اس کے غیر جانبدار رہنے کی صورت میں حکم اور ثالث بننے اور بیچ بچاؤ کرانے کی خواہش کیگئی ہے۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں الاباما کے مشہور مقدمے میں حاکم نے فیصلہ کیا تھا کہ انگلستان، امریکہ کو (۳۳) لاکھ پونڈ ہرجہ دے۔ سنہ ۱۸۷۵ء میں انگلستان اور پرتگال کے خلیج ڈیلاگوا کے جھگڑے میں فرانس کے صدر جمہوریہ نے حکم کی حیثیت سے فیصلہ کیا تھا۔ حال میں افغانستان اور ایران کے سرحدی جھگڑے میں ترکی نے تحکیم کی۔ حیدرآباد نے ایک خاص طریقہ

ایجاد کیا کہ کسی ادارے کو مستقل حکم بنا دیا جائے۔ اس جدت کو اب قانونِ بین الممالک میں لے لیا گیا ہے اور "اختیاری دفعہ" Optional Clause پر دستخط کر کے اب برطانیہ وغیرہ بہ کثرت ممالک نے ہیگ کی مستقل عدالت قانونِ بین الممالک کو حکم تسلیم کرتے ہوئے اس کے ہر فیصلے کو اپنے متعلق نافذ رکھنے پر رضامندی ظاہر کی ہے! اور کوئی نہیں کہتا کہ اس سے اُن ممالک کی آزادی کم ہوگئی یا خطرے میں پڑ گئی۔ بے شبہ دخل وہی کو اقتدار اعلیٰ کے منافی تسلیم کیا گیا ہے لیکن قانون بین الممالک میں تحکیم بیچ بچاؤ اور حسنِ مشورہ کو خلاف کبھی نہیں سمجھا گیا مشورہ دہی کے سلسلے میں جو ایک علامتِ دوستی و بہی خواہی ہے' حیدرآباد کو برطانیہ سے بلا طلب بھی مشورے وقت بوقت وصول ہوتے رہتے ہیں۔ اور مشورے ہی کے نام سے' اسی طرح حیدرآباد بھی برطانیہ کو بطور خود مشورے دیتا رہا ہے۔ اڑیسہ کے قحط کے زمانے میں برطانوی ہند کے حکام کی ہولناک بد انتظامی پر سالار جنگ نے اپنے پُرزور مشورے پیش کئے تھے اور حیدرآباد کو وہاں کے حسن انتظام کی نگرانی رکھنے کا مقتدر بلکہ ذمہ دار بتایا تھا۔[1] اسی طرح گزشتہ سال اخبار اسٹیٹسمین (کلکتہ) نے پچاس سال پہلے کی ایک خبر کو دہرایا ہے کہ برطانوی حکومت نے افغانستان سے ایک معاہدے کی گفت و شنید کی تو حیدرآباد کی طرف سے سالار جنگ نے اپنا یہ حق جتایا تھا کہ گفت و شنید صلح میں حیدرآباد کو بھی شریک رکھا جائے۔

مسائلِ تعلقات خارجہ کے سلسلے میں ہمیں دو معاہدے ملتے ہیں پہلے معاہدۂ سرنگاپٹم اور دوسرے معاہدۂ حیدرآباد مورخہ ۱۸۰۰ء۔ معاہدۂ سرنگاپٹم کی یہ غالباً ایک غیر شائع شدہ شرط تھی جس کا ذکر لارڈ ولنگٹن نے ٹیپو سلطان کے نام ایک خط مورخہ ۱۸ جون ۱۷۹۰ء میں کیا ہے کہ لارڈ کارنوالس

---

[1] دیکھئے صفحہ (۱۶) کتاب ہذا

نواب نظام علیخاں، پیشوا پنڈت پردھان اور سلطان نے :-

"Provided...by establishing a reguler mode of bringing to an amicable adjustment with the knowledge and approbation of all parties, any question which might here-after arise between Your Highness (i. e. Tippo Sultan) and any of the allies respecting the bounderies of Your adjacent territory." (Wellington Dispatches, Vol. I, p. 5.)

"یہ طے کیا کہ ایک باقاعدہ طریقے کے مطابق جملہ فریقوں کے علم اور رضامندی سے ہر اس سوال کا دوستانہ تصفیہ کیا جائے جو آئندہ آپ (ٹیپو سلطان) کے اور حلفاء میں سے کسی ایک کے ایسے سرحدات کے متعلق جو آپ کے علاقہ سے متصل ہوں، پیدا ہوں"۔ پانکر (وزیر خارجہ پٹیالہ) نے نہ معلوم کیوں اسکو اس بات کے مترادف قرار دیا ہے کہ اس سے حیدر آباد کمپنی کے ماتحت ہو گیا۔ حالانکہ چار سلطنتوں میں مساوی حقوق اور ذمہ داریوں کا اقرار ہوا ہے اور باہمی مشورے اور منظوری کی شرط قبول کی گئی! ایسا ہے تو کیوں نہیں اس کے برعکس کمپنی پیشوا اور میسور کی تینوں سلطنتوں کو حیدر آباد کے ماتحت ہو جانا تسلیم کیا جائے؟ باہمی مشورے کے معاہدے کے سلسلے میں حال میں چار ممالک میں ۸ر جولائی ۱۹۳۷ء کو ایسا ہی معاہدہ ہوا ہے جو معاہدۂ سعد آباد کہلاتا ہے

اس غیر اہم اور موقتی معاہدے کو چھوڑ کر — جو یوں بھی تیسری جنگ میسور کے اعلان پر خود بخود ختم ہو گیا — ۱۸۰۰ء کے معاہدے کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ جس کے فقرہ ۱۵ میں ہے :-

"His Highness the Nizam engages neither to commence nor to persue in future any negotiations with any other Power whatever without giving previous notice and entering into mutual consultation with the Honourable East India Company's Government.

اعلیحضرت حضور نظام اقرار کرتے ہیں کہ آئندہ نہ تو کسی سلطنت سے کوئی گفت و شنید شروع کریں گے نہ جاری رکھیں گے، جب تک کہ معزز ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کو پیشگی اطلاع نہ دیں اور اس کے ساتھ مشورہ نہ کرلیں۔"

اس معاہدے کو ایسی معاہدے میں :۔

Treaty of Perpetual and General defensive Aliance

یعنی "مدامی اور عام مدافعتی حلیفی" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ جیسا کہ کئی موقعوں پر ثابت کیا گیا ہے۔ اس سے حیدرآباد کے اقتدار اعلیٰ پر کچھ بھی اثر نہیں پڑتا! اول تو کسی مشورے کو ماننے کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ دوسرے حیدرآباد کے تعلقات اسکے بعد بھی ہندوستان کی دیگر ریاستوں سے باقی رہے ہیں تیسرے باوجود اس معاہدے کے اکتوبر ۱۹۳۶ء کے جدید ترین معاہدۂ برار میں ایک سے زائد مرتبہ حیدرآباد کو برطانوی حکومت نے اقتدار اعلیٰ Sovereignty کا حامل تسلیم کیا ہے مثلاً ایک فقرہ ہے کہ "ان ممالک محروسہ میں جو ہز اگزالٹڈ ہائینس نظام حیدرآباد کے اقتدار اعلیٰ کے تحت ہیں چند علاقہ جات موسوم بنام برار شامل ہیں" وغیرہ۔ ان سب سے بڑھکر ایک انگلستانی مقدمے میگل بنام سلطان آف جوہور کا فیصلہ بھی قابل ذکر ہے جو اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث تفصیل سے درج کیا جاتا ہے

"Motion to set aside an order for substituted service of a writ of summons in an action for breach of promise of marriage, and to stay all proceedings therein, on the ground that the Court had no jurisdiction over the defendant, who was described in the writ as 'the Sultan of the State and Territory of Johore otherwise known as Albert Baker' ....The motion to set aside that order having come before Wright J..... the learned judge adjourned the hearing of the motion, and caused a communication to be made to the Secretary of State for the Colonies in order to ascertain the status of the defendant. In an answer to that communication a letter was written to Wright, J., by an official at the Colonial Office, purporting to be written by direction of the Secretary of State for the Colonies, and informing him that Johore was an independent state and territory in the Malay Peninsula, and that the defendant was the present sovereign; that the relations between the Sultan and Her Majesty the Queen were relations of alliance and not of suzerainty and dependence, were regulated by a treaty made on December 11, 1885, of which a copy was enclosed; that the Sultan had raised and maintained armed forces by sea and land, and had organized a postal system, dispensed justice through regularly constituted courts, had founded orders of knighthood, conferred titles of honour; and generally speaking, exereised without question the usual attributes of a sovereign ruler. By the treaty it was agreed that the Governor of the Straits Settlement should protect the Sultan's territory from

external hostile attack, and for that purpose Her Majesty's officers were to have access at all times to the waters of the State of Johore; and by article 6 of the treaty the Sultan bound himself not to negotiate treaties or to enter into any engagement with any foreign state.

"The motion was referred.......to the Divisional Court.... Wills, J.: ... entertained no doubt in the case··· We are told by that (i. e. Colonial Office's) letter the Sultan 'generally speaking, exercises without question the usual attributes of a sovereign ruler.' It is true, as appears from the copy of the treaty annexed to that letter, he has bound himself not to exercise some of the rights of a sovereign ruler except in certain ways; but that does not deprive him of his character as an independent sovereign. There can be no doubt that he is still an independent ruling sovereign, and this case must be decided upon exactly the same considerations as if the ruler of some undoubted great Power—such as the King of Italy, or the President of the French Republic—had been sued in the Courts of this country.

Lawrence J,: I am entirely of the same opinion, on the grounds which have been already given......

"Motion was granted.

"The plaintiff appealed......

"Lopes, L. J.: It was contended for the plaintiff that the status of the defendant had not been satisfactorily established; but I am clearly of opinion that it was, and that the defendant is an independent sovereign. That sush a sovereign is entitled

to the immunity from the jurisdiotion of the Courts is beyond all questions. That proposition was established if it needed to be further established, by the case of The Parlement Belge, 5 P.D. 197. The law on the subject is clearly laid down by Vattel. He says (Law of Nations....p. 485) ' We cannot introduce in any more proper place an important question of the law of nations which is nearly allied to the right of embassies. It is asked what are the rights of a sovereign, who happens to be in a foreign country, and how is the master of that country to treat him? If that prince be come to negotiate, or to treat about some public affair, he is doubtless entitled, in a more eminent degree, to enjoy all rights of ambassadors. If he be come as a traveller, his dignity alone, and the regard due to the nation which he represents and governs, shelters him from all insult, gives him a claim to respect and attention of every kind, and exempts him from all jurisdiction.' But there is no doubt that a foreign sovereign may submit to the jurisdiction of the Courts of this country, and it was contended that in this particular case he had so submitted, because he had taken an assumed name and acted as a private individual....It seems to me clear, therefore, that in this case there was no submission, to the jurisdiction and nothing from which such submission could be inferred. For these reasons I agree that the appeal should be dismissed.

Kay, L. J.: The status of a foreign sovereign is a matter of which the Courts of this country take judicial cognisance.

Here the person cited was the Sultan of Johore, and the means which the judge took of informing himself as to his status was by inquiring at the Colonial Office... I confess I cannot canceive a more satisfactory mode of obtaining information on the subject than such a letter. Proceeding as it dose from the office of one of the principal secretaries of state, and purporting to be written by his direction, I think it must be treated as equivalent to a statement by Her Majesty herself, and....I think that statement must be taken as conclusive. But it was argued that the letter itself contains, by referenece, a confutation of its statements; that it refers to a treaty, and on looking to that treaty it appears that its terms are, in effect, that the SULTAN should have certain protection, he on his part engaging not to enter into treaties with any foreeign Powers; and that such a treaty amounts to an abnegation of his sovereign powers which destroyed his position as an independent sovereign. The agreement by the Sultan not to enter into treaties with other Powers does not seem to me to be an abnegtion of his right to enter into such treaties, but only a condition upon which the protection stipulated for is to be given. If the Sultan disregards it, the consequence may be the loss of that protection, or possibly other difficulties with this country; but I do not think that there is anything in the treaty which qualifies or disproves the statement in the letter that the Sultan of Johore is an independent sovereign."

(MIGHELL V. SULTAN OF JOHORE, Court of Appeal, 1893. L. R. (1894) 1 Q. B. 149).

اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(واقعات یہہ ہیں کہ لندن میں ایک شخص نے سلطان جوہور کے خلاف اس بنا پر مقدمہ دائر کیا تھا کہ انھوں نے شادی کرنے کے ایک وعدے کے سلسلے میں نقضِ عہد کا ارتکاب کیا ہے)۔

عدالت نے سلطان کے خلاف طلب نامہ جاری کیا جواب میں سلطان نے یہ درخواست دی کہ طلب نامہ منسوخ اور جملہ کارروائی ختم کردی جائے کیونکہ عدالت کو مدعی علیہ کے متعلق اقتدارِ سماعت حاصل نہیں ہے اس لئے کہ مدعی علیہ جو اگرچہ البرٹ بیکر کے نام سے معروف ہے لیکن وہ جوہور کی سلطنت اور اپنے علاقے کا سلطان ہے۔

درخواست جسٹس رائٹ کے سامنے پیش ہوئی۔ فاضل جج نے سماعت ملتوی کرکے وزیر نوآبادیات کو ایک خط لکھا کہ مدعی علیہ (سلطان جوہور) کی صحیح حیثیت سے اطلاع دے۔ جواب میں وزارتِ نوآبادیات کے ایک افسر کا خط آیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ وہ وزیر نوآبادیات کی ہدایت سے لکھا گیا ہے اور اس میں اطلاع دی گئی تھی کہ جوہور جزیرہ نمائے ملایا میں ایک خودمختار مملکت اور علاقہ ہے اور یہہ کہ مدعی علیہ وہاں کا موجودہ مقتدرِ اعلیٰ حکمران ہے یہ کہ سلطان اور ملکہ معظمہ (وکٹوریا) کے تعلقات باہمی حلیفی کے ہیں برتری ماتحتی کے نہیں ہیں یہ کہ یہہ تعلقات ایک معاہدے کی بنا پر قائم ہوئے ہیں جو ۱۱ دسمبر ۱۸۸۵ء کو طے ہوا تھا جس کی ایک کاپی منسلک ہے۔ یہ کہ سلطان نے بری اور بحری فوجیں تیار کرکے قائم رکھی ہیں ڈاک کا نظام قائم کیا ہے وہ باضابطہ عدالتوں کے ذریعے سے عدل گستری کرتا ہے خطابات اور اعزازات دیتا ہے بغرض عام الفاظ میں کسی مقتدرِ اعلیٰ حکمران کے عادی فرائض انجام دیتا ہے معاہدے میں طے ہوا تھا کہ اسٹیٹس

سٹلمینٹ کا گورنر سلطان کے علاقے کی بیرونی مخاصمانہ حملوں کی صورت میں حفاظت کرے گا اور اس غرض کیلئے ملکہ معظمہ کے افسروں کو ہر زمانے میں سلطنت جوہور کے پانیوں میں آنے کی اجازت رہے گی۔ معاہدے کی دفعہ (۶) میں سلطان نے اقرار کیا تھا کہ وہ کسی بھی اجنبی سلطنت سے نہ تو معاہدات کی گفت وشنید کرے گا۔ نہ اُس کے ساتھ کوئی ذمہ داریاں قبول کرے گا۔

"درخواست اجلاس متنفقہ پر منتقل کی گئی جسٹس ولس نے فیصلے میں لکھا کہ مجھے اس مسئلے میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ ہم کو وزارت نوآبادیات کی طرف سے بتایا گیا ہے کہ سلطان عام الفاظ میں کسی مقتدر اعلیٰ حکمران کے عادتی فرائض انجام دیتا ہے۔ معاہدے کے منسلکہ نسخے سے (جو وزارت نوآبادیات کے خط کے ساتھ آیا تھا) بے شک یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان نے اپنے کو اس بات کا پابند کیا تھا کہ حکمران مقتدر کے چند اختیارات کا وہ ایک خاص طریقے کے علاوہ کسی اور طور سے استعمال نہیں کرے گا لیکن اس سے وہ مقتدر اعلیٰ حکمران کی حیثیت سے ہرگز محروم نہیں ہو جاتا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ وہ اب بھی ایک مقتدر اعلیٰ حکمران وقت ہے اسی بنا پر اس مسئلے کا بالکل اسی طرح تصفیہ کرنا چاہیئے جس طرح کسی مسلّمہ طور سے بڑے حکمران (مثلاً شاہ اٹلی یا صدر جمہوریہ فرانس) کا اگر ان پر مقدمہ دائر ہوتا جسٹس لارنس نے لکھا کہ میں بھی اپنے شریک کار کے ساتھ پوری طرح متفق ہوں اور ان دلائل سے اتفاق رکھتا ہوں جو اوپر بیان کیگئی ہیں۔

"سلطان کی درخواست اجلاس متنفقہ سے منظور ہوگئی اس پر مدعی نے مرافعہ کیا۔ عدالت مرافعہ میں لارڈ جسٹس لوپیس نے کہا کہ اگرچہ مدعی نے یہ عذر داری کی ہے کہ مدعی علیہ کی حیثیت اطمینان بخش طور پر متعین نہیں ہوئی ہے لیکن میں

یقینی طور پر رائے رکھتا ہوں کہ وہ متعیّن ہو چکی ہے جو یہ ہے کہ مدعی علیہ ایک مقتدر اعلیٰ حکمران ہے۔ یہ کہ اِس طرح کے حکمران کو عدالتوں کے اختیار سماعت سے محفوظ رہنے کا حق ہر قسم کے شک و شبہے سے بالا ہے اگر اس کے لئے کسی تائید کی ضرورت ہو تو! "پارلیمان بیلیشر" کے مقدمے سے (دیکھئے S.P.D. 197) اس کی پوری تائید ہو جاتی ہے۔ اس مسئلے میں جو قانون ہے اس کو وآبل نے نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ (اپنی کتاب لا آف نیشنس صفحہ ۴۸۵ میں) بیان کرتا ہے: قانون بین الاقوام کے ایک اہم مسئلے کو جو حقوقِ سفارت سے قریبی تعلق رکھتا ہے بیان کرنے کا اس سے کوئی اور بہتر موقع نہیں ہو گا۔ یہ پوچھا جاتا رہا ہے کہ اس حکمران کے حقوق کیا ہیں جو فی الحال کسی غیر ملک میں مقیم ہو اور یہ کہ اس غیر ملک کا مالک اس حکمران کے ساتھ کیا برتاؤ کرے ہے اگر وہ حکمران کوئی گفت و شنید کرنی چاہیے یا کسی سرکاری کام کے متعلق معاہدہ کرنا چاہے تو یقیناً اس کو بدرجۂ اولیٰ وہ تمام حقوق حاصل رہینگے جو سفیروں کو حاصل ہوتے ہیں اگر وہ وہاں سیر و سیاحت کے لئے آیا ہو تو اس کی حیثیت نیز اس کے زیرِ اقتدار سلطنت کے ساتھ احترام کا برتاؤ کرنے کی ضرورت اس حکمران کو ہر قسم کی ہتک سے محفوظ رکھیں گے عزت کے برتاؤ کا مستحق بتائیں گے اور ہر قسم کے عدالتی اختیار سماعت سے محفوظ رکھیں گے لیکن اس میں کوئی شبہہ نہیں ہے کہ غیر ملکی حکمران اپنے آپ کو ہمارے ملک (انگلستان) کی عدالتوں کے اختیار سماعت میں دیدے سکتا ہے اور یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ مقدمۂ زیرِ سماعت میں اس نے ایسا کیا ہے کیونکہ وہ ایک فرضی نام سے مقیم رہا ہے اور ایک خانگی فرد کی طرح معاملات کرتا رہا ہے مگر بہرحال مجھے صاف یہ

معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ زیر سماعت میں مدعی علیہ نے اپنے آپ کو عدالتی اختیار سماعت میں ہرگز نہیں دیا تھا۔ اور نہ ہی کوئی ایسی چیز پائی جاتی ہے جس سے اس کے خلاف نتیجہ اخذ کیا جا سکے۔ ان ہی وجوہ سے میری بھی یہ رائے ہے کہ مرافعہ خارج کیا جائے۔

"لارڈ جسٹس کے ٹی نے لکھا کہ کسی غیر ملکی مقتدر اعلیٰ کی حیثیت ایک ایسی چیز ہے جس سے ہمارے ملک کی عدالتوں کو قانونی طور پر مطلع سمجھا جاتا ہے۔ یہاں جس شخص کا مقدمہ ہے وہ سلطان جوہور بتلایا جاتا ہے اور عدالت ماتحت کے جج نے اس بارے میں وزارت نوآبادیات سے دریافت کر کے اپنی تشفی کی ہے۔ مجھے اقرار ہے کہ اس بارے میں صحیح معلومات حاصل کرنے کا کوئی اور اس سے بہتر طریقہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ خط ملک کی ایک اہم وزارت سے آیا ہے اور وزیر کے حکم سے لکھا جانا ظاہر ہوتا ہے جس کے معنی میرے خیال میں یہ ہوتے ہیں کہ خود ملکہ معظمہ نے وہ اطلاع دی۔ اسی بنا پر میرے خیال میں اس اطلاع کو قطعی ثبوت کے طور پر تسلیم کرنا چاہیئے اگرچہ یہ عذر کیا گیا تھا کہ وزارت کے اس خط کے بیانات میں باہم تضاد پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس میں ایک معاہدے کا ذکر ہے لیکن خود معاہدے کو دیکھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے ایک طرف تو سلطان کی حفاظت کیجاتی تھی تو دوسری طرف سلطان نے اقرار کیا تھا کہ وہ کسی بھی اجنبی سلطنت سے کوئی معاہدات نہیں کریگا۔ اور عذرداری میں یہ بتایا گیا تھا کہ اس طرح کے اقرار سے اقتدارات اعلیٰ کی تردید ہو جاتی ہے اور ایسا شخص مقتدر اعلیٰ حکمران نہیں رہتا لیکن میری رائے میں سلطان نے ممالک غیر سے معاہدہ نہ کرنے کا جو عہد کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سلطنت نے معاہدہ کرنیکا حق ہی زائل کر لیا ہے بلکہ وہ صرف اس بات کی شرط ہے کہ برطانیہ ان کی حفاظت کرے۔ اگر سلطان اپنے عہد کو نظر انداز کرنا چاہیں تو برطانوی حفاظت کو ہاتھ سے کھو دیں گے یا ممکن ہے کہ برطانیہ کے ساتھ دیگر مشکلیں پیدا ہوں لیکن میری رائے میں سلطان کے معاہدے میں ہرگز کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے سلطان جوہور

کے مقتدرِ اعلیٰ خود مختار حکمران ہونے پر کوئی قید عائد ہو یا وہ خود مختار تسلیم نہ کئے جائیں"

(ترجمہ ختم ہوا۔)

یہ نامناسب نہ ہوگا اگر اس کی مخالفت کے دلائل کی بھی تحقیق کر لی جائے۔

لارڈ ریڈنگ نے ۲۷ مارچ ۱۹۲۶ء کے ایک خط میں لکھا ہے :۔

(۱) "تاج برطانیہ کی سیادت ہندوستان میں سب سے برتر ہے اور اسی بنا پر کوئی والیٔ ریاست برٹش گورنمنٹ کے ساتھ مساویانہ طریق پر گفت وشنید کرنے کے دعوے میں حق بجانب نہیں ہو سکتا۔

(۲) "تاج کی برتری صرف معاہدات اور سندات ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ ان سے بے نیاز ہو کر بھی قائم ہے۔

(۳) "خارجی دول اور ریاست سے تعلق رکھنے والے معاملات میں اسکے خصوصی اختیارات سے قطع نظر۔

(۴) "برٹش گورنمنٹ کا حق اور فرض ہے کہ بہ حزم واحتیاط ان عہود ومواثیق کا احترام کرتے ہوئے جو ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ کئے گئے ہیں ہندوستان کے طول وعرض میں امن اور حسن انتظام کو برقرار رکھے۔

(۵) "۱۸۶۲ء میں دوسرے والیان ریاست کی طرح فرمانروائے حیدرآباد کو بھی ایک سند دی گئی تھی جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ ان کے خاندان اور ان کی حکومت کی بقاء کی خواہشمند ہے بشرطیکہ وہ تاج کے وفادار رہیں۔

(۶) "اور یہ کہ مسند حیدرآباد پر کسی کی جانشینی اس وقت تک جائز نہ ہوگی جب تک کہ ہز مجسٹی شہنشاہ معظم اس کو منظور نہ کریں۔

(۷) "نیز جانشینی کے مسئلے میں اگر کوئی نزاع ہو تو برٹش گورنمنٹ تنہا اس کا فیصلہ کرے گی۔

"(۸) دیسی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں برٹش گورنمنٹ کا حق مداخلت ان نتائج کی ایک دوسری مثال ہے جو برطانوی تاج کی برتری کو لازمی طور پر متضمن ہے"

"(۹) داخلی اور خارجی تحفظ جس سے والیان ریاست متمتع ہوتے ہیں انجام کار برٹش گورنمنٹ ہی کی محافظ قوت کے باعث انھیں حاصل ہے۔

"(۱۰) جہاں کہیں شاہی مفاد کا تعلق ہو یا کسی ریاست کے طرز عمل سے اس کے باشندوں کی عام فلاح و بہبود پر واقعی اور شدید مضرت رساں اثر پڑ رہا ہو تو حسب ضرورت اس کا تدارک کرنے کی ذمہ داری آخر میں بالاتر قوت ہی پر عائد ہونی چاہیے۔

"(۱۱) اندرونی اقتدار اعلیٰ کے وہ تمام مدارج جن سے والیان ریاست متمتع ہوتے ہیں سب کے سب بالاتر قوت ہی کی جانب سے اس ذمہ داری کی متناسب انجام دہی کے ساتھ مقید ہیں"۔

ان گیارہ دلیلوں میں سے پہلی دلیل کے سلسلے میں اگر اس سے مراد برطانوی ہند ہے تو وہ یہاں بے محل استدلال ہے۔ اگر پورا ہندوستان مراد ہے تو اس میں فرانسیسی، پرتگالی، نیپالی اور بھوٹانی علاقے بھی موجود ہیں اور یہ امر قرین قیاس نہیں کہ ایک ذمہ دار گورنر جنرل ایسی شاعری کریگا۔ اگر اس سے صرف قوت اور ثروت کی زیادتی مراد ہے تو ہمیں اس سے بحث نہیں۔ امریکہ آج اس طرح برطانیہ سے بالاتر ہو گیا ہے مگر اس سے برطانیہ امریکہ کا ماتحت نہیں ہو گیا۔ اگر اس سے مراد وہ علاقے ہیں جن کو دیسی ریاستیں کہا جاتا ہے تو ان کے تعلقات کی دستاویزوں کی جانچ ضروری ہے۔ بے شبہ بہت سی دیسی ریاستوں نے اپنے آپ کو برطانیہ کے ساتھ "ماتحتانہ اتحاد عمل"..........
(Subordinate Cooperation) کرنے پر آمادہ ظاہر کیا ہے حیدرآباد کے معاہدات میں ایسی کوئی چیز نہیں ملتی اور حکومت حیدرآباد نے مذکورۂ بالا خط کے

جواب میں صراحت سے اس ادعاء کو تسلیم کرنے سے انکار بھی کر دیا ہے۔

دوسرے دعوے کی کوئی دلیل نہیں پیش کی گئی۔ اگر یہ خودساختہ برتری صرف قوت پر مبنی ہے اور حق پر نہیں تو وہ علمی سیاسیات سے نکلکر عملی سیاسیات میں چلا جاتا ہے۔ اور عملی سیاسیات میں اجتماع ضدین جیسے ناممکنات بھی نہ صرف ممکن بلکہ فی الواقع موجود ہوتے ہیں جو کسی حق پر مبنی نہیں ہوتے۔ یوں بھی دلیل مبہم ہے اور یہ برتری فرانس اور پرتگال وغیرہ کے مقابل چل نہیں سکیگی جن کے علاقے ہندوستان میں ہیں۔

خارجہ تعلقات کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ حیدرآباد کو اب بھی اس کی کامل آزادی حاصل ہے جیسا کہ اوپر تفصیل سے عرض ہوا۔

چوتھی دلیل کا جواب وہ واقعہ ہے جب حیدرآباد نے بھی اوڈیسہ کے قحط کے زمانے میں پورے ہندوستان کے امن و امان کا خود کو بھی ذمہ دار ظاہر کیا تھا۔ یہ دلیل غالباً سالار جنگ اوّل[1] کے خط کا پُر مذاق جواب ہے گو ذرا بے محل۔ اس دلیل کے الفاظ بھی ذرا غیر قانونی ہیں جامع اور مانع نہیں۔ گوا اور پانڈیچری پر بھی ان الفاظ کا اطلاق ہو جائیگا۔ اگر اس دلیل کا منشاء اصل میں وہ قاعدہ ہے کہ کسی کی سرحد سے ملی ہوئی سلطنت میں ایسی بدانتظامی ہو کہ اس سے دوسرے ملک میں بھی تکلیف پہنچنے لگی ہو تو مداخلت کی جاسکتی ہے تو یقیناً ایسا حق حیدرآباد کو بھی ہے۔ اور اگر اس کی سرحد پر بے چینی یا بدامنی ہو تو اس کے روکنے کی مناسب تدبیریں حفاظت ذاتی کے قدرتی حق کے تحت حیدرآباد بھی اختیار کر سکتا ہے۔

پانچویں دلیل ایک مغالطہ ہے کیونکہ وہ سند ہی نہیں ہے۔ وہ صرف ایک اطمینان دہانی ہے کہ الحاق کی بدنام پالیسی کو ترک کیا جاتا ہے اس میں سند کا لفظ تک نہیں برتا گیا ہے اور نہ سند کے طور پر اسے پہنچایا گیا۔ چونکہ خطوط سے مرسل الیہ پر پابندی عائد نہیں ہو سکتی اس لئے "تاج سے وفاداری" کا جملہ اس اطمینان

---

[1]:۔ دیکھئے تعلیق صفحہ (۱۴) پر

وہاں کے خط میں لکھ دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حیدرآباد تاج برطانیہ کا ماتحت ہوگیا رہا تاج برطانیہ سے کئے ہوئے معاہدات کی وفادارانہ تعمیل اس پر حیدرآباد فخر کرسکتا اور دوسروں کے لئے قابل تقلید ہونے کی حیثیت رکھتا ہے حیدرآباد نہ صرف تاج برطانیہ سے کئے ہوئے معاہدات کا بلکہ کسی سے کئے ہوئے معاہدات کا پابند رہا ہے اور رہنا چاہتا ہے۔

چھٹی دلیل بے سود بیان ہوئی ہے کیونکہ دنیا میں ہر جگہ یہی ہوتا ہے کہ جہیں کوئی نیا حکمراں زمام حکومت ہاتھ میں لے تو دیگر ممالک اسے تسلیم کرتے ہیں تخت نشینی کے لئے حیدرآباد نے کبھی برطانیہ سے منظوری نہیں لی ہمیشہ امرائے ملک نے ولیعہد کی خود بیعت کرکے اس کی شاہی کا اعلان کیا۔

ساتواں استدلال نہ معلوم کس چیز کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بفضل خدا حیدرآباد میں کبھی اسکی ضرورت ہی پیش نہیں آئی اس لئے معاہدہ ہی نہیں عمل درآمد تک کی تائید میں نہیں پیش کیا جاسکتا۔ نظفر جنگ اور صلابت جنگ کے زمانے کی خانہ جنگیوں سے بھی اس سلسلے میں استدلال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایک تو تب انگریزوں کا رجحان فیصلہ کرنے پر قادر نہ تھا اور دوسرے اس وقت ہر فریق کرائے کے ٹٹو حاصل کر رہا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی میں اس وقت اتنی قوت نہ تھی کہ اسے مملکت کے اسم سے برائے نام بھی موسوم کرسکیں۔

دعویٰ نمبر (۲) و (۴) ہی کو دوسرے پہلو سے ۸ میں پیش کیا گیا ہے مگر دلیل کوئی نہیں ہے نظائر کی حد تک مداخلت حیدرآباد میں کبھی نہیں کی گئی صرف "مشورے" آتے رہتے ہیں مگر حکومت حیدرآباد بھی مشورے دیتی رہی ہے اس سے برتری کی جگہ دوستی اور برابری ثابت ہوتی ہے۔

نواں دعویٰ تو محض مغالطہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہم نے اپنے فوجی اغراض کے لئے کچھ انگریزی پلٹنیں تنخواہ میں جاگیریں دے کر نوکر رکھیں اور اس طرح ہم ان کے

ماتحت ہو گئے تو برطانوی ہند میں بھی بہت سی دیسی اور نیپالی فوجیں نوکر ہیں اس کا جو
نتیجہ نکلتا ہے اس کو بھی قبول کرنے میں منصفانہ طور پر تامل نہ ہونا چاہیئے تاریخی لحاظ
سے ۱۸۵۷ء میں گورنر بمبئی کے تار سے لیکر حال میں لارڈ ارون کے جانے کے بعد
رزیڈنٹ حیدرآباد کی تقریر تک حکومت انگریزی یہی مانتی اور کہتی آئی ہے کہ برطانوی
ہند کی بقاء و حفاظت بہت بڑی حد تک حیدرآباد ہی کی فوجی و اخلاقی و مادی
مدد پر منحصر رہی ہے۔

نمبر (۱۰) بھی وہی دعویٰ ہے جو نمبر (۸) وغیرہ کے تحت کئی مرتبہ نئے نئے الفاظ
سے دُہرایا گیا ہے۔ اور اس کا اطلاق حیدرآباد پر نہیں ہو سکتا — چاہے
اور کہیں برطانوی ہند کے کسی صوبے پر ہو۔

نمبر (۱۱) سے وہی شخص مرعوب ہوگا جو اسے سرسری طور سے پڑھے ابھی نمبر ۲
میں لارڈ ریڈنگ نے خود اقرار کیا کہ حکومت انگریزی پر بھی "عہود و مواثیق کا احترام"
کرنے کی پابندی ہے — اور قانون بین الممالک کے لحاظ سے ہر مہذب و متمدن
ملک پر ایسی پابندی ہوتی ہے — اب یہاں یہہ کہنا کہ دیسی ریاستوں پر یہ پابندی
ہے کہ وہ اپنے فرائض انجام دیں اور اسے اس بات کی دلیل بنایا جائے کہ وہ
ان کی ماتحتی کی علامت ہے تو دلیل کی یہ کشتی زیادہ دور تیر نہیں سکے گی۔
حقوق و فرائض لازم و ملزوم ہوتے ہیں اور فرائض کی ادائی سے کوئی ماتحت
نہیں ہو جاتا۔ یہہ البتہ الگ بحث ہے کہ فرائض کو نظر انداز کرکے ماکیاویلی کے اصول
پر عمل کرنے میں زیادہ فائدہ ہے۔ مگر شرفاء یہہ کہتے آئے ہیں کہ جان جائے پر آن
نہ جائے۔

ہر ذمہ دار اور رعایا پرور حاکم اپنے اقتدارات مناسب طور ہی سے انجام
دینے کا پابند ہوتا ہے اور "ایسی پابندی" کے لحاظ سے دنیا میں کوئی متمدن ملک

"آزاد" نہیں ہے۔ ورنہ یہ آزادی شتر بے مہاری کے مترادف ہوجاتی ہے۔ غرض یہ بحث یہاں ختم کیجاتی ہے اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ حیدرآباد معاہدات کی روشنی میں اقتدارِ اعلیٰ کا پوری طرح حامل ہے۔

مراتبِ اعزاز جیسا کہ ستمبر ۱۹۴۳ء کے معارف میں مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے، اِس بات سے حکمران حیدرآباد کی "شہنشاہانہ حیثیت" معلوم ہوتی ہے کہ ہز ہائینس سلطانِ مکلا و شحر حیدرآباد کے ایک جاگیردار اور ملازم سرکاری اور فردِ رعیت ہیں۔ ہز ہائینس ہولکر مہاراجۂ اندور حیدرآباد کے مواضع پارنہ و پالی گاؤں کے موروثی پٹیل ہیں اور رہنے پر اصرار کرتے ہیں۔ ہز ہائینس مہاراجہ جودھپور حیدرآباد کے ایک جاگیردار ہیں اور موضع جسونت پورہ ان کو حاصل ہے جس کی کچھ کارروائی بندوبست اور مالگزاری میں آج کل بھی چل رہی ہے۔ جے سنگھ پورہ ہز ہائینس مہاراجہ جے پور کی جاگیر ہے اور ان دونوں ریاستوں کے نمائندے عیدین میں صوبہ دار صوبۂ اورنگ آباد کو — جہاں وہ علاقے ہیں — نذر پیش کرتے ہیں۔

علاوہ اس درست اِستدلال کے کہ حکمران حیدرآباد اپنے قدرتی اقتدارات (Inherent Powers) کے تحت جس وقت چاہیں ہز مجسٹی کا شاہانہ لقب اپنے اِسمِ سامی کے ساتھ برت سکتے ہیں — یہ مسئلہ معاہدات کے تحت بھی آجاتا ہے۔

بہرحال یہ واقعہ ہے جسے بہت سے لوگ جانتے ہیں کہ حضرت غفران مکان کے مطالبے پر حکومتِ برطانیہ نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ حضور نظام ہز مجسٹی کے لقب سے مخاطب کئے جانے کے مستحق ہیں۔ اِس سے یقیناً اُس وقت کے معتمد سیاسیات اور مدار المہام اور معتمد پیشی مبارک بھی واقف کرائے گئے ہوں گے — اگر

اتفاق سے دستاویز اعلان کو حکومت حیدرآباد کے ہاتھ میں نہیں دیا جاسکا تو اس سے مکمل شدہ معاہدے کی صحت پر اثر نہیں پڑنا چاہیئے کیونکہ معاہدہ حضور نظام سے تخصیصی طور سے حضرت میر محبوب علیخاں غفران مکان کی ذات سے نہ تھا۔ بادشاہ فانی ہوتے ہیں لیکن بادشاہت خانوادے کے باقی رہنے تک مسلسل اور غیر منقطع ہوتی ہے بلکہ نیا خانوادہ بھی پرانے کی جگہ جگہ لے لے تو قانون بین الممالک کے لحاظ سے ایک ہی مملکت کا جاری رہنا سمجھا جاتا ہے اور جانشین خانوادے کو سابقہ خانوادے کے حقوق اور فرائض دونوں حاصل ہوجاتے ہیں۔

یہ بیشک صحیح ہے کہ حضرت غفران مکان کو مذکورہ دستاویز حوالے نہیں کیگئی لیکن حوالے کرنے کے لئے ان سے تاریخ معیّن کرائی گئی تھی اور اتفاق سے وہ اس دن سخت علیل تھے اور دوسرے دن انتقال فرماگئے لیکن معاہدہ ہوچکا تھا جس کا ایک فریق حکمران برطانوی ہند اور دوسرا فریق حکمران حیدرآباد تھے جیسا کہ مُسلّم ہے کہ حکمران مرتا نہیں

The King is dead, Long live the King

یہ معاہدہ اپنی جگہ باقی ہے۔

قیادتِ مسلمانانِ ہند

ابھی اوپر بیان ہوا کہ کسی خط سے مرسل الیہ پر خود بخود پابندی عائد نہیں ہوجاتی — بجز اس کے کہ خط مرسل الیہ کے کسی ایجاب کو قبول کرتا ہو — لیکن مرسل کو اپنے اقرار، اقبال یا اظہار سے مکرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اور امر مانع تقریر مخالف لازم آتا ہے۔

۱۸۶۲ء میں لارڈ کیننگ نے ملکہ وکٹوریا کیطرف سے جو خط —

الحاق کی پالیسی کے ترک کردیئے جانے کا اطمینان دلانے کے لئے ___ حضور نظام کو بھیجا تھا۔ اُس میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ حیدر آباد میں اسلامی شریعت نافذ ہے۔ اور حکمران کی جانشینی میں اسلامی اُصول وراثت و جانشینی کو ملحوظ رکھا جائے تو حکومت برطانیہ اسے خود بخود بلا کسی درنگ و دیری کے تسلیم کرلے گی۔ اس کے بعد ۲۴ جنوری ۱۹۱۸ء کے ایک خط میں جس پر جارج پنجم کے اپنے دستخط ہیں تسلیم اور اقرار کیا گیا ہے کہ حضور نظام ہندوستان میں "سب کی قیادت کرنے والے اسلامی والیٔ ریاست کی حیثیت سے لطف اندوز ہیں"۔

بے شبہ فرامین مبارک میں حکمران کے حکومت کرنے میں مذہبی طرف داری سے قطعاً بے تعلقی پر زور دے کر حیدر آباد کے عدل و انصاف کی گزشتہ شاندار روایتوں اور آئندہ مماثل ارادوں کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن حکمران حیدر آباد کا اپنا مذہب حنفی مسلمان ہونا قرار دیا گیا ہے جس طرح کہ فرمانروایانِ انگلستان کا پروٹسٹنٹ ہونا لازمی ہے جب تک ترکی کا سرکاری مذہب اسلام رہا روس اور فرانس کو ___ بہ تائید و امداد برطانیہ ___ مختلف عیسائی فرقوں کا خصوصی نگہبان تسلیم کیا گیا تا کہ ان فرقوں کے مفاد ان کی ہم مذہب سلطنتوں کی نمائندگی کے باعث تلف ہونے سے محفوظ رہیں۔ اس حق کو صرف اس وقت چھوڑا گیا جب ترکی نے اعلان کیا کہ اس کا سرکاری مذہب کچھ بھی نہیں ہے۔

بے شبہ برطانوی حکومت اپنی مسلم رعایا کے حقوق کی حفاظت کرتی رہی ہوگی لیکن اس عبوری دور میں جب کہ حکومت کا بار برطانوی ہند میں نا تجربے کار کندھوں پر منتقل کیا جارہا ہے اور خوف ہے کہ ئے

جوش میں فرقہ واری منافرت کے وارث ہونے کے باعث نئے حکمراں فرقہ وارانہ
حق تلفیاں شروع نہ کردیں جیسا کہ بندے ماترم کی مخالفِ مسلمانان
نظم کو ہندیوں کا قومی ترانہ قرار دینے اور اسی کے مماثل بعض مسودہ ہائے
قانون کے پیش کرنے سے خوف پیدا ہو چکا ہے ۔

مذکورہ بالا دو خطوط اور ترکی میں برطانوی روش سے شاید اب یہ قرار
دیا جاسکتا ہے کہ حیدرآباد کا ہندی مسلمانوں کی طرف سے ظلم و تعدی کو
روکنے کے لئے پُرزور نمائندگی کرنے کا حقدار ہونا ـــ ان دونوں کو برطانیہ
نے تسلیم کرلیا ہے ۔ ضرورت ہے کہ اس پر عمل کرانے کا جلد سے جلد انتظام
کیا جائے ۔ اس سے بیرون حیدرآباد کے غیر مسلم علاقوں کی کاملیت
اقتدارِ اعلیٰ میں کوئی رخنہ نہیں پیدا ہوتا ۔ یہ خالص حق اور انسانیت
کا مسئلہ ہے ۔

ڈاک

ڈاک کے متعلق سرکارِ عالی کے مسلمہ اقتدارِ اعلیٰ کے
باعث اندرونی توسیع و ترقی مثل ٹرنک ٹیلیفون، اندرونی
ٹیلیگراف اور اسٹیٹ ریل و رسائل میں کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن پیچیدگی
اس وقت پیدا ہوتی ہے جب بیرونی دنیا سے اتصال کے فوائد سے
بہرہ اندوز ہونا مطلوب ہو ۔

اس وقت جو معاہدات نافذ ہیں اُن کی رُو سے یہ قرار پایا ہے کہ
حیدرآباد کی سرکاری ڈاک باقی ہندوستان میں اسی طرح جائے
جس طرح کسی خود مختار ملک کی ۔ خانگی ڈاک کے متعلق بھی برطانوی ہند سے
بالکل مساوات کا معاہدہ ہے ۔ مگر یہ عجیب شرط منظور کی گئی ہے کہ حیدرآباد
کی ٹکٹ لگا کر برطانوی ہند کو خط بھیجا جائے تو مرسل الیہ سے مقامی حکومت

مزید محصول وصول کر سکے گی۔ اور برطانوی ہند سے آئے ہوئے خطوط پر حیدرآبادی ڈاکخانے بوقت تقسیم اپنا محصول بھی وصول کر سکیں گے یعنی حیدرآباد اور برطانوی ہند میں تبادلۂ خطوط پہ دو دو محصول لگائے جائیں گے۔ البتہ سمندر پار سے آنیوالی ڈاک کے متعلق سرکار عالی نے یہ منظور فرمالیا کہ برطانوی ہند کی عام ڈاک کے برخلاف اس کو سرکار عالی کے اپنے ڈاکخانے بلاکسی مزید محصول کے وصول کرنے کے تقسیم کریں گے۔
انگریزی چھاؤنیوں اور رزیڈنسی کے قیام کیوجہ سے سرکار عالی نے ابتداءً چند انگریزی ڈاکخانے اُن چھاؤنیوں وغیرہ میں قائم ہونے دیئے تھے۔ جن کا دائرہ عمل چپکے چپکے بڑھتا گیا اور وہ مقامی اور ممالک محروسہ کے اندر تقسیم ہونیوالی ڈاک بھی قبول کرنے لگے جس سے حیدرآبادی سررشتہ ڈاک کو نقصان پہنچنے لگا۔ معاہدۂ تبادلۂ ڈاک کے اصول کے باعث چونکہ حیدرآباد کے علاوہ خود برطانوی ہند کی رعایا کو بھی تکلیف تھی اس لئے (رہبر دکن مورخہ ۲۴ر فروری ۱۹۳۲ء کے مطابق) چند سال قبل برطانوی ہند کے ایک پوسٹ ماسٹر نے اپنی حکومت کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ حیدرآباد اور برطانوی ہند میں اصول مساوات تو قائم رہے لیکن دُہرے محصول کا قاعدہ اُٹھا کر اس عام اصول ہی پر عمل ہو جو تمام دنیا میں رائج ہے۔ یہہ تحریک رزیڈنسی نے سرکار عالی کو بھیجی تھی۔ اور سرکار عالی نے بطور خود اپنی حد تک یہہ عمل جاری بھی کر دیا کہ برطانوی ہند سے آنے والے تمام اشیاءِ ڈاک بلا محصولِ مزید سرکار عالی کے ڈاک خانوں کے ذریعے سے اپنی قلمرو میں تقسیم کرادے۔ معلوم نہیں انگریزی حکومت سے تجویز کے جزءِ دوم کی تحریک کی گئی یا نہیں۔ بہرحال ابھی تک برطانوی ڈاک خانوں نے یہ عمل اختیار نہیں کیا ہے اور ہمارے محکمۂ ڈاک کی

سالانہ رپورٹوں سے واضح ہے کہ حقوق معاہدہ سے اس رضاکارانہ دست
برداری کے باعث اسے سالانہ ایک لاکھ روپیے سے زیادہ کا نقصان ہورہا
ہے۔ ضرورت ہے کہ برطانوی ہند کی حکومت اس تجویز کے جز دوم کو
جلد سے جلد جامۂ عمل پہنائے جس کی تجویز خود اسی نے ہمارے سامنے
پیش کی تھی اور جس کے بہ لحاظ حقوقِ معاہدہ ہم پورے مستحق ہیں۔ اس عمل
کی وجہ سے علیحدہ انگریزی ڈاکخانوں کی بھی چنداں ضرورت نہ رہے گی۔
کیونکہ خود سرکار عالی کا رشتۂ ڈاک پورا ترقی یافتہ ادارہ ہوچکا ہے
اور سرکار عالی کے ڈاک خانے اندرونی اور بیرونی جملہ اشیائے ڈاک تقسیم
کردیا کریں گے اور برطانوی حکومت ان غیرضروری مالی مصارف سے
بچ جائے گی جو قلمروئے حیدرآباد میں اپنے الگ ڈاک خانے قائم رکھنے
سے اس کو برداشت کرنے پڑرہے ہیں۔

بحری محصول درآمد ہم چاہتے تھے کہ صرف تین مذکورہ بالا امور پر اس سلسلے میں اکتفا کریں لیکن عنوانِ بالا
وعنواناتِ آئندہ کے سلسلے میں اتنی کچھ مشکلیں حیدرآباد کو پیش آرہی ہیں
کہ اقتدارِ اعلیٰ کی طرح معاشی منفادات کا ذکر بھی مساوی اہمیت اختیار کرلیتا ہے۔
پرنسپل چندراور کر صاحب نے اس سلسلے میں کئی سال ہوئے ایک بہت
ٹھوس مضمون شائع کیا تھا لیکن انھیں ایک بڑی غلطی ہوئی اور وہ یہ خیال کرنے
لگے کہ مچھلی پٹم سے سرحد حیدرآباد تک جو علاقہ برطانوی ہند کا ہے وہ علاقہ
غیر ہے۔ اس کی ایک کم چوڑی پٹی خرید کر ریاست کی سرحد کا اس کی بندرگاہ
سے الحاق کرلینا چاہیئے۔ تاکہ محصولِ درآمد انگریزی علاقے میں نہ دینا پڑے۔
لیکن شمالی سرکار اور اضلاعِ مفوضہ" انعام جاگیر" میں خاص اغراض وشرائط

کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی کو دیئے گئے تھے اور کوئی جاگیردار اس بات کا مجاز نہیں ہے کہ اپنی معطی حکومت کے مال پر محصول چنگی وصول کرے۔ اسی لئے یہ بات بالکل واضح ہے کہ نہ صرف مچھلی بندر (مچھلی پٹم) بلکہ مشرقی ہندوستان کی ان تمام بندرگاہوں سے جو حیدرآباد کی عطا کردہ جاگیریں ہیں، ان جاگیروں سے گزار کر بھی مال ریاست میں لایا جائے تو اس بنا پر برطانوی ہند کی حکومت کو محصول درآمد وصول کرنے کا حق نہیں ہو سکتا۔ انگریزی مال پر پانچ فیصدی سے زائد محصول درآمد نہ لگائے جانے کا ۱۸۰۲ء مطابق ۱۲۱۶ء کے معاہدے میں ــــ جس میں انگریزوں نے حیدرآباد کے کیلئے (Most Favoured Nation Clause) بھی شامل کیا ہے ــــ حیدرآباد نے اقرار کیا ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ جاپانی اطالوی، روسی، جرمن غرض غیر انگریزی مال پر بھی زائد محصول نہ لگایا جا سکے۔

انعامی جاگیریں

۱۷۵۹ء کے معاہدے کے ذریعے سے عطا شدہ سرکار مچھلی پٹم و سرکار نظام پٹم، کنداور، کلاما لوریہ وغیرہ کو معاہدے میں انعام جاگیر قرار دیا گیا ہے جو مشروط الخدمت ہے۔ اسی طرح ۱۷۶۶ء میں شمالی سرکار بھی مشروط الخدمت انعام میں دئے گئے۔ اس آخری معاہدے کے فقرہ (۳) میں لکھا ہے "بلا عذر آفات سماوی نو لاکھ روپیہ سالانہ بابت راجمندری و ایلور و مصطفےٰ نگر بطور نذرانہ وخراج داخل خزانہ حضور پرنور ہوا کریں۔ اور اس کے فقرہ (۱۱) میں ہے کہ کان الماس "بدستور نظام کے قبضے میں رہے گی۔"

اس کے بعد ۱۷۶۸ء میں ارکاٹ کی دیوانی یعنے انتظام کا ٹھیکہ دیکر ایسٹ انڈیا کمپنی سے سالانہ سات لاکھ روپیہ سکہ ارکاٹ کی رقم خزانہ عامرہ

حیدرآباد میں داخل کرنا طے ہوا تھا۔ اس سلسلے میں سابق رزیڈنٹ حیدرآباد مسٹر بارٹن کی کتاب (Indian Princes) سے بڑھکر مستند اور واقفانہ بیان اہیں نہیں مل سکے گا جس کے صفحہ (۱-۳۰) میں لکھا ہے کہ اضلاعِ مفوضہ کی ایک کثیر رقم حیدرآباد کو واجب الوصول قرار پائی تھی لیکن گول میز کانفرنس کے دوران میں حیدرآباد نے وہ بقایا معاف کر دیا۔ (بحوالۂ رہبر دکن ۴ رجنوری ۱۹۳۳ء)

فوج فوج کے سلسلے میں مکتوب ملوکانہ دربارۂ استرداد برار مورخہ ۱۸ شعبان ۱۳۴۲ھ کے فقرات ۳ تا ۱۳ وغیرہ میں تفصیل سے اس تاریک باب پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ کس طرح گورہ فوج کے خواہ مخواہ نوکر رکھنے پر حیدرآباد کو مجبور کیا گیا اور کس طرح شبلاک کو بھی مات کرنے والے حسابات بنائے گئے۔ اگر اس کے پورے ایک سو ستر سالہ حسابات دوبارہ مرتب کئے جائیں تو یقین ہے کہ کئی ارب روپیہ حیدرآباد کو واجب الادا نکلیگا۔ بہت سے قرضے اداطلب ہی نہ تھے اور جو علاقے ان مفروضہ قرضوں کی ادائی کے لئے کمپنی کو دئے گئے ان کو بھی واپس کرنا ہوگا کیونکہ جب قرضے اداطلب ہی نہ تھے۔ تو ان کی ادائی کا سوال بے بنیاد ہو جائیگا۔ بلکہ استحصالِ بے جا سمجھی جائے گی۔

ضرورت ہے کہ ماہرین اور واقفین کی ایک کمیٹی مقرر کرائی جائے ــــ جس طرح کانگریس نے حکومت برطانوی ہند کے پبلک قرضوں کیلئے کچھ عرصہ قبل کرائی تھی ــــ اور حسابات کی جانچ کرائی جائے اور کم از کم رہبر وطن اخبار "رہبر دکن" ہی اس پر کوئی مقالہ لکھوائے۔

گورہ فوج کی ملازمت جن اغراض کے تحت ہے وہ اب پوری نہیں ہو رہی ہیں اور گو مدت

برطانوی ہند کو اقرار ہے کہ اسکی فوجی قوت اس قابل نہیں ہے کہ کسی بڑی قوت کے مقابل ہندوستان کی مدافعت کرسکے اس لئے یہ نہایت مناسب تجویز ہے کہ :۔

"جب برطانوی ہند کی حکومت اپنی آپ مدافعت کرنے کے ناقابل ہے تو وہ کس حد تک ہم کو آڑے"
"وقت میں مدد دے سکے گی مجبوراً ہماری حکومت کو اب فیصلہ کرنا پڑیگا کہ ان سپرد کئے ہوئے صوبوں کو"
"واپس لے لے اور اپنی آپ حفاظت کا خود انتظام کرے ...... (اس طرح) ہم اپنے حلیف پر"
"بار گراں نہیں رہیں گے (بلکہ) ہماری اس بڑھتی ہوئی فوجی قوت سے (خود) برطانوی ہند"
"کی مشکلوں میں کافی کمی ہو جائے گی" (رہبر دکن ۱۵ رجب ۱۳۵۶ھ)

"وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝"

(منقول از روزنامہ رہبر دکن حیدر آباد مورخہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ)

صفحہ ۵۲ کی تعلیق :۔

"حکومت حیدرآباد کو یہ لکھتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ حکومت برطانوی ہند اپنی رعایا کی فلاح کے بارے میں کافی مشفق نہیں ہے۔ اڑیسہ کی حالیہ طغیانیوں کے دوران میں سنگدل حکام کی لاپروائی سے لکھوکھا مخلوقِ خدا کی جانیں تلف ہو گئیں۔ اس کو یاد رکھنا چاہئیے کہ حکومتِ حیدرآباد ہندوستان میں برطانوی حکمرانی کے قیام اور بقا کی بڑی حد تک ذمہ دار ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ (یعنی حکومت حیدرآباد) برطانوی ہند کے لوگوں کی فلاح و بہبود کی ذمہ دار ہے۔ اگر حکام اوڑیسہ صورت حال کا مقابلہ کرنے سے قاصر رہیں تو برطانوی ہند کی حکومت کو بہتر مشورہ یہ دیا جائیگا کہ صوبہ اوڑیسہ کو حکومتِ حیدرآباد کے انتظام کے سپرد کر دیا جائے جو رعایا کے مفادات کے تحت نظم و نسق کریگی۔ اور برطانوی وزیر مالیہ کے محصلہ مالگزاری کی بچت بھجوا دیگی بہرحال حیدرآباد خاموش نہیں رہ سکتا جب کہ لاکھوں مخلوق خدا صوبہ اوڑیسہ میں جانیں دے رہی ہے"۔ اس امر واقعہ کے باوجود کہ متذکرہ صوبہ کا خزانہ رقم سے ماموُر ہے"۔

(مترجمہ جلیل احمد نعمانی بحوالہ روزنامہ وقت حیدرآباد، خود مختاری نمبر ۲۹ رجب ۱۳۵۹ھ)

صـ ۹

اقتدارِ اعلیٰ کی ماہیت اور اُس کا اطلاق مملکتِ آصفیہ پر

(ایک متعلم قانونِ بین الاقوام کے قلم سے)

"اقتدارِ اعلیٰ" (ساورینٹی) اور خود مختاری یا "کسی کا دست نگر نہ ہونا" (انڈپنڈنس) عام طور پر باہم لازم و ملزوم بلکہ ایک ہی چیز کے دو رخ سمجھے جاتے ہیں لیکن یہ صرف مبادیات کے متعلموں کو سمجھایا جاتا ہے۔ بین الممالک مقدمات کی نظیروں اور بین الاقوامی واقعات و حقائق میں اس عام قاعدے کے ساتھ بہت سے "اگر" اور "بشرطیکہ" لگانے پڑتے ہیں جن کے بغیر صورتِ حال کی کوئی توجیہہ ممکن نہیں۔ چنانچہ ایک طرف سر ماری مین (Sir H. Maine) کو یہ کہنا پڑا تھا کہ "اقتدارِ اعلیٰ کا (مختلف ممالک میں) تقسیم ہو جانا ممکن ہے، لیکن خود مختاری کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔

Independence is not divisible, sovereignty is.

دوسری طرف پریوی کونسل کے فاضل ججوں کو بارہا یہ لکھنے پر مجبور ہونا پڑا کہ کسی خود مختار ملک کے لئے قانون بین الممالک (انٹرنیشنل لا) کے اطلاق کی غرض سے مقتدرِ اعلیٰ ہونا کافی ہے۔ اگر وہ مکمل خود مختار ہونے کی جگہ بہت سی باتوں میں کسی کا دست نگر ہو جائے تو بھی کوئی حرج نہیں چنانچہ ہیگ کی بین الممالک عدالت کے ایک نامور جج لارڈ فیلے کو اقرار ہے اور

وہ اپنے ایک فیصلے میں لکھتا ہے کہ "یہ ظاہر ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے لئے کچھ نہ کچھ خود مختاری کا ہونا ضروری ہے لیکن اقتدار اعلےٰ کیلئے یہ ضروری نہیں کہ مکمل خود مختاری بھی ہو"۔ ان مستند خیالات کی روشنی میں اگر واقعات اور حقائق کی شب چراغ صورت کو دیکھا جائے تو وہ اور بھی صاف نظر آئے۔

لارڈ برکنہیڈ سابق وزیر ہند نے اپنی کتاب "انٹرنیشنل لا" میں ایک دلچسپ بحث کی ہے اور اقتدار اعلیٰ سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قرون متوسط میں جب پوپ لیوسوم اور شارلمان کی امداد باہمی سے "مقدس رومی شہنشاہت" قائم کی گئی، اور اس نے ربع مسکون پر اپنی سطوت اور حکمرانی کا ادعا کیا تو پورے عیسائی یورپ نے اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنے بین الممالک یا بین الملوک جھگڑوں میں ان دونوں کو اپنا حکم اور آخری فیصلہ کنندہ مان لیا ۔۔۔ اس زمانے میں یورپ کی عیسائی سلطنتوں کے لئے کسی برتر مشترک سردار کو ماننا اور اسے اپنے معاملات میں دخل دہی کا حق اور اجازت دینا اقتدار اعلیٰ کے منافی نہیں سمجھا گیا۔ اس کے بعد جب نشاۃ ثانیہ اور اصلاح مسیحیت کا دور آیا اور لوتھر اور اس کے ہم خیالوں نے پوپ کے دنیاوی اقتدار کے پرخچے اڑا دیئے، تو پھر مکمل آزادی کے چوطرف راگ الاپے جانے لگے اور خود مختار ممالک اپنے معاملات میں کسی بیرونی اثر کو دخل دہی کی اجازت یا حق دینے سے قطعی انکار کرنے لگے ۔۔۔ مگر اس وقت بھی مکمل خود مختاری ایک اضافی اصطلاح تھی۔ ایک طرف تو دیگر خود مختار ممالک کی مساوی خود مختاری و آزادی کا احترام کرنے کی پابندی تھی۔ دوسرے معاہدات کے ذریعے سے خاصکر کسی جنگ کے اختتام پر بادل ناخواستہ بہت سی پابندیاں گوارا کرنی پڑتی تھیں۔ اس تاریخی بحث کے بعد برکنہیڈ موجودہ صورت حال کی تنقید کرتے ہوئے

بتاتا ہے کہ مجلس اقوام کے میثاق اور اقلیتوں سے برتاؤ کے معاہدات کے تحت
خود مختار ممالک کی مکمل آزادی پر بیسیوں تحدیدات عائد ہو گئے ہیں اور اُن کو کبھی آزادی
کے منافی نہیں خیال کیا جاتا اور اب تو خارجہ تعلقات ہی نہیں اندرونی
معاملات میں کسی حامی و محافظ سلطنت کی معاہداتی اور بالاستحقاق دخل دہی
کو بھی اسی زمرے میں شمار کیا جانے لگا ہے اور یہ اقتدار اعلیٰ کے تصور کے
متعلق جدید رجحانات کا پتہ دیتا ہے۔

اس کے باوجود بٹلر کمیٹی نے جس کو ۱۹۲۷ء میں لارڈ برکنہیڈ نے
دیسی ریاستوں اور انگریزوں کے تعلقات پر تحقیقات کرنے کے لئے مامور کیا تھا۔
صراحت سے اس بات سے انکار کیا ہے کہ دیسی ریاستوں پر قانون
بین الممالک کا اطلاق ہو سکے۔ (رپورٹ صفحہ ۲۵) یا وہ خود مختار ہیں۔ اس
رپورٹ میں ایک طرف تو یہ ایماندارانہ اعتراف کیا گیا ہے کہ "گزشتہ
نصف صدی میں ریاستوں پر بہت دباؤ ڈالا جاتا رہا خاص کر حکمرانوں کی
نابالغی کے زمانے میں" "اور ایسی چیزیں منظور کرائی جاتی رہی ہیں ۔۔۔ یا انگریز
افسر بہ حیثیت نگران نابالغ کے خود ہی مختلف احکام جاری کرتے رہے ہیں۔
جو صریحاً ناجائز تھے۔ اور رپورٹ کو ساتھ ہی اصرار ہے کہ "ہم اس بات کا مشورہ
دینے تیار نہیں کہ ان تسویوں کی نظر ثانی کی جائے جو بہ حیثیت مجموعی اچھی طور سے
چلتے رہے ہیں۔ معاہدے اور اقرار کئے جا چکے ہیں اور اس بات کی کوئی وجہ
نہیں ہے کہ ان (معاشی معاملات کے) معاہدات اور اقرارات کی نظر
ثانی کی جائے۔ جس طرح اس بات کی ضرورت نہیں کہ سو سال پہلے کئے ہوئے
سیاسی معاہدات اور اقرارات کی نظر ثانی کی جائے۔"

ان دونوں بیانات کے باہمی تقابل کے نتیجے کے علاوہ (جن میں باہم

چند ہی سطروں کا فاصلہ ہے) یہاں میثاق مجلس اقوام کے دفعہ ۱۹ کا یاد دلانا بھی بیجا نہ ہوگا جن میں شرکائے مجلس اقوام اقرار کرتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً ان معاہدات کی نظر ثانی کریں گے جو ناقابل عمل ہو گئے ہوں، اور یکطرفہ نفع کے معاہد کو منسخ کر دیں۔

از کار رفتہ یا ظالمانہ "معاہدات" کی نظر ثانی کرانے کے سوال کے قطع نظر بھی یہ بالکل صحیح خیال ہے کہ حیدرآباد ایک خود مختار مملکت ہے اور نافذالوقت معاہدات کے تحت بھی اس پر قانون بین الممالک کا اطلاق ہوتا ہے بٹلر کمیٹی نے یہ خیال کیا ہے کہ کسی دیسی ریاست کے معاملات میں دخل یعنی (Intervention) اس کی خودمختاری کے منافی ہے اور اس مقصد کی وضاحت کے لئے اس نے بڑی کوشش سے چند مثالیں فراہم کی ہیں جو یہ ہیں، "حیدرآباد کی مثال توضیح کیلئے پیش کیجا سکتی ہے حیدرآباد ہندوستان میں سب سے اہم ریاست ہے۔ ۱۸۰۰ء میں انگریزوں نے حضور نظام سے ایک معاہدہ کیا جس کی دفعہ ۱۵ میں یہ فقرہ ہے کہ:-

مغرز کمپنی کی حکومت اپنی طرف سے بذریعہ ہذا اعلان کرتی ہے کہ اسے حضور نظام کے بچوں، قرابت داروں، رعایا، ملازمین سے کسی قسم کا کوئی واسطہ نہیں ہے اور ان کی حد تک حضور نظام مختار مطلق ہیں۔

اس کے باوجود ۱۸۰۴ء ہی میں حکومت ہند نے کامیاب طور سے دباؤ ڈالا کہ ایک خاص فرد کو وزیر اعظم بنایا جائے۔ ۱۸۱۵ء میں اسی حکومت کو اس لئے تعرض کرنا پڑا کہ حضور نظام کے بچوں نے ان کے احکام کی قوت کے ذریعے سے مزاحمت کی تھی۔ ریاست کا انتظام رفتہ رفتہ ابتری میں ڈوب گیا حکومت ہند کو مگر مجبور ہونا پڑا کہ جلد ہی کوئے چنانچہ ۱۸۲۰ء میں

انگریز افسر مامور کئے گئے تاکہ اضلاع کے نظم و نسق کی نگرانی کر کے زراعت پیشہ طبقوں کی حفاظت کریں کچھ دنوں بعد پھر (کمپنی کی) مجلس نظماء نے حکومت ہند کو ہدایت دی کہ رزیڈنسی کے توسط سے حضور نظام کو آگاہ کر دیں کہ وہ "بدنظمی اور خراب حکمرانی کے بے تعلق تماشہ بین" نہیں رہ سکتے۔ اور یہ کہ اگر اصلاح و ترقی عمل میں نہ آئے تو حکومت ہند کا فریضہ ہوگا کہ حضور نظام کو اپنے وزیر کے بدلنے اور اچھی حکومت کے حصول کے لئے دیگر ضروری تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت پر اکسائیں۔ دخل دہی کے یہ چند موقع تھے۔ وہ یہ بات دکھانے کے لئے کافی ہیں کہ ابتدائی زمانوں ہی سے برتر اقتدار کی جانب سے دخل دہی ہوتی رہی ہے جو نہ صرف اس کے اپنے مفاد کے لئے تھی۔ (جو پورے ہند کی ذمہ داریوں کیلئے تھی) بلکہ خود ریاست اور وہاں کے باشندوں کے مفاد کے لئے بھی۔"

اپنے آپ کو ملزم ٹھیرا لینے سے قطع نظر اس میں ان بہترین مثالوں کو جمع کیا گیا ہے جو دخل دہی کو ثابت کرنے کے لئے دفتر خارجہ (حکومت ہند) کو مل سکیں اول تو یکطرفہ بیانات ہیں جو سیاق و سباق سے بچھڑے ہوئے ہیں۔ دوسرے یہ باور کرنے کے میرے پاس وجوہات ہیں کہ کبھی "دخل دہی" کے نام سے رزیڈنسی نے کام نہ کیا بلکہ ہمیشہ "مشورہ" (اڈوائس) کہہ کر ترغیب دی جاتی رہی تیسرے محض دخل دہی سے اب کسی کی خود مختاری ذرا بھی متاثر نہیں سمجھی جاتی مثال کے طور پر ابھی چار پانچ سال قبل جرمنی اور آسٹریا میں باہم چنگی کی برخاست کا معاہدہ ہوا تھا اور فرانس کی مداخلت سے اسے منسوخ کرنا پڑا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جرمنی یا آسٹریا قانون بین الممالک کے اغراض کیلئے خود مختار نہیں تھے یا نہ رہے۔ اس طرح کی دخل دہیاں یا دباؤ کا ڈالنا چاہے کھلم کھلا ہو یا رازمیں عملی سیاسیات میں آئے دن پیش آتا ہے اور کمزوری، دیگر مفادات کے متاثر ہونیکا خوف

یا کوئی ایسی ہی چیز بعض وقت بڑی سے بڑی سلطنت کو بھی ایک ناگوار بات کے گوارا کر لینے پر مجبور کر دیتی ہے کون نہیں جانتا کہ اٹلی کے دباؤ کے تحت مسٹر ایڈن کو انگلستان کی وزارت خارجہ سے خارج کیا گیا۔ کسے واقفیت نہیں کہ چکوسلوواکیا کے مسئلے میں جرمنی کی طرف سے انگلستان کو کس قدر مجبور کیا گیا ہے۔ ہوا زور سے چلتی ہے تو شاخوں کو جھک ہی جانا پڑتا ہے لیکن شاخیں اپنے تنے کی دست نگر ہوتی ہیں، ہوا کے ماتحت نہیں سلطنتیں اپنے مفاد کی خاطر دب جاتی ہیں مگر صرف دب جانے سے وہ کسی کی ماتحت نہیں بن جاتیں۔ کسے یقین آئے گا کہ یہ میری ہی نہیں مسٹر چرچل کی بھی رائے ہے اور یہ رائے اس وقت کی ہے جب وہ وزیر نو آبادیات تھے اور یہ رائے اس ریاست کے متعلق ہے جو ضابطہ انگریزوں کی حمایت میں تھی۔ اس کی تفصیل ابھی نیچے آتی ہے۔

حیدرآباد کی آئینی حیثیت کو معاہدات کی روشنی میں بارہا متعین کیا جا چکا ہے۔ اور ان اعتراضات کے مسکت جوابات دیئے جا چکے ہیں جو اس سلسلے میں اٹھ سکتے یا اٹھائے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے مفصل کوشش ۵ از ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ کے "رہبر دکن" میں ایک مضمون نگار نے کی ہے۔ اس میں معاہدات اور لارڈ ریڈنگ کے اعتراضات کی چھان بین کی گئی تھی اور ۱۸۹۴ء کے مقدمۂ گل بہادر بنام سلطان جوہور کو نقل کر کے اس سے استدلال کیا گیا تھا۔ مذکورہ بالا مضمون میں بشارکیپیلی سے بحث نہیں تھی ـــــ وہ ہم نے ابھی اوپر مکمل کر دی ہے ـــــ اور اس میں سلطان کیلانٹن کے ۱۹۲۴ء کے مقدمے کا ذکر نہ تھا جو مقدمۂ جوہور سے بھی زیادہ اہم اور قطعی ہے اور بالکل حالیہ نظیر ہے ذیل میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خارجہ تعلقات نہ رکھنے کا اثر ہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اندرونی معاملات میں بھی ہمیشہ ایک انگریزی مشیر کے

مشوروں پر عمل کرنے کی شرط کے باوجود سلطان کیلانٹن ایک انگریز وزیر نوآبادیات مسٹر چرچل کی رائے میں پوری طرح خود مختار تھے اور عدالت ہاؤز آف لارڈز کی رائے میں اس طرح کے معاہدات کے باوجود کوئی مملکت قانون بین الممالک کا موضوع ہونے سے خارج نہیں ہو جاتی ۔ حیدرآباد کی حیثیت کیلانٹن سے بہرحال کہیں بہتر ہے ۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ان نظائر اور واقعات سے فائدہ اُٹھائیں۔ ہماری غفلت سے دوسرے فریق کو موردِ الزام نہیں قرار دیا جانا چاہیئے ۔

مقدمے کے مختصر واقعات یہ ہیں کہ ریاست کیلانٹن نے (جو ملایا میں ہے اور جس کی آبادی محض تین لاکھ کی ہے) یک کمپنی سے معاہدہ کیا اور اقرار کیا کہ اگر کوئی اختلاف ہو تو اسے جہاں تک ممکن ہو انگلستان کے قانونِ ثالثی کے مطابق ایک ثالث کے سپرد کیا جائے گا جب ایک مرتبہ مقدمہ ثالثی کے سپرد ہوا اور ریاست کے خلاف فیصلہ صادر ہوا ۔ ریاست نے انگلستان میں دعویٰ کیا کہ ثالث کی عطاء منسوخ کی جائے کیوں کہ اس میں کھلم کھلا قانون کی خلاف ورزی ہے مرافعے نامنظور ہوتے گئے آخر میں کمپنی نے ثالث کی عطا کی تعمیل کیلئے اجازت چاہی ۔ اس نوبت پر ریاست نے عذر کیا کہ وہ ایک خود مختار ریاست ہے اور انگریزی عدالتوں کا حکم اس پر نہیں چل سکتا ۔ فریق ثانی نے ریاست کی خود مختاری پر اعتراض کیا ۔ وزارت نوآبادیات سے استفسار کیا گیا تو ریاست کے معاہدے کی نقل منسلک کر کے یہ جواب آیا کہ وزارت کی رائے میں کیلانٹن ایک خود مختار ریاست ہے ۔ مقدمہ ہاؤز آف لارڈز تک گیا اور وہاں ججوں نے معاہدہ مذکور کو تحلیل کر کے بھی اور اس کے بغیر بھی ریاست کو خود مختار قرار دیا ۔ صرف ایک اتفاقی سوال تھا کہ آیا ریاست نے اپنی خود مختاری کے لوازمے (عدالت کے اختیار سماعت سے

بری رہنے) سے خاص اِس مقدمہ میں دست برداری دیدی ہے یا نہیں اگر
دست برداری دیدی ہے تو خودمختار ریاست ہونے کے باوجود قانون بین الممالک
کے مطابق اس پر مقدمہ زیر بحث کے عدالتی فیصلے کی تعمیل ہو سکے گی ورنہ نہیں۔
عدالت دارالامراء کے اجلاس خمسہ میں چار ججوں نے یہ رائے دی کہ ریاست نے اپنے
لوازمے سے دست برداری نہیں دی ہے کیونکہ دست برداری تعمیل کے وقت ہونی
چاہیئے۔ کسی نوبت ماقبل میں نہیں۔ صرف ایک جج نے واقعات کے لحاظ سے
اقرار دیا کہ دست برداری دیدی گئی ہے مگر فیصلہ بہ غلبہ آراء ریاست کے حق میں
ہوا اور ریاست کیلانٹن کو علاوہ مقدمہ جیتنے کے خودمختار ہونے کی سند حاصل
ہوگئی۔ ہاؤز آف لارڈز کے ان ججوں میں ایک لارڈ فنلے بھی تھا جو بعد میں ہیگ
کی عدالت بین الممالک کا جج بنا۔ ترجمہ روداد مثل ہے۔

ہاؤز آف لارڈز

حکام حاضر الوقت :۔ وائکونٹ کیف، وائکونٹ فنلے، لارڈ ڈیونے
ڈین، لارڈ سمنز، لارڈ کارسن۔

ڈف ڈیویلپمنٹ کمپنی ...... مدعی۔ حکومت کیلانٹن مع دیگر ....
مدعی علیہم :۔

۱۰ اپریل سنہ ۱۹۲۴ء

...... وائکونٹ کیف نے واقعات کو دُہرانے کے بعد کہا۔

میرے محترم رفقائے کار آپ کے سامنے آئے ہوئے مرافعے کی سماعت
کے موقع پر مدعی کمپنی کیطرف سے دو نکات پر بحث کیگئی ہے۔
پہلے یہ بحث کیگئی کہ مملکت کیلانٹن کوئی خودمختار یا اقتدار مملکت نہیں کہ
اُسے قانون بین الممالک کے تحت عدالتی کارروائی سے محفوظ رکھا جائے جسکا مقدمہ

پارلیمان ہیلٹر میں تعین ہوا۔ کچھ عرصے سے ہماری عدالتوں کا طرز عمل یہ ہے کہ جب کبھی ایسا سوال اُٹھایا جائے تو کسی مملکت کے اقتدار اعلیٰ کے متعلق عدالتی اطلاع و باخبری کا اظہار کریں۔ اور اسی غرض کیلئے (عدم یقین کی کسی صورت میں) ملک کے کسی ذریعے معلومات حاصل کریں اور جب اس طرح کے معلومات حاصل ہو جائیں تو پھر عدالت اس کے متعلق فریقین کو کسی سوال کی اجازت نہیں دیتی مقدمۂ ٹیلر بنام بارکلے اور مقدمۂ مبیگل بنام سلطان جوہور میں اسی طرح کے معلومات ملک کے ایک وزیر سے حاصل کئے گئے اور بلا دریافت مزید قبول کرلئے گئے۔ اور انھیں مقدموں کی اتباع فاسٹر بنام گلوب وینچر سنڈیکیٹ اور مقدمۂ گگار امین کیگئی مقدمۂ ہٰذا میں ماسٹر جیلیف نے (عطائے ثالثی کے نفاذ کا طلب نامہ پیش ہونے پر) ضروری دریافت وزیر نو آبادیات سے کی اور اس دریافت کے جواب میں نائب وزیر نے جو جواب دیا وہ یہہ ہے۔

"ڈاؤننگ اسٹریٹ
۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء

"جناب والا آپ کے خط مورخہ ۳۱ جولائی کے جواب میں مجھے وزیر مسٹر چرچل نے آپ کو یہہ اطلاع دینے کی ہدایت کی ہے کہ آپ کے خط مورخہ ۲۰ جولائی کا جواب یہہ ہے کہ کیلانٹن ایک خود مختار مملکت ہے جو جزیرہ نمائے ملایا میں واقع ہے اور ہز ہائینس سلطان اسماعیل ابن المرحوم سلطان محمد چہارم وہاں کے موجودہ مقتدر حکمران ہیں۔

"۲۔ سنہ ۱۹۰۹ء سے پہلے سیام اور کیلانٹن کے تعلقات ایک راضی نامے کے مطابق مقرر تھے جو سنہ ۱۹۰۲ء میں طے ہوا تھا اس کے انگریزی متن کی ایک نقل منسلک ہے۔ شاہ سیام کو جو حقوق حاصل تھے وہ ایک معاہدے کے ذریعے

سے جس پر ۱۰ ارمارچ ۱۹۰۹ء کو بنکاک میں دستخط ہوئے ہز مجسٹی شاہ (برطانیہ) کو منتقل ہو گئے۔ اس معاہدے کی ایک نقل منسلک ہے۔

"۳۔ جو حقوق شاہِ سیام کو حاصل تھے وہ سب کے سب کبھی شاہِ برطانیہ نے نہیں برتے اور ہز مجسٹی شاہ برطانیہ اور سلطان کیلانٹن کے موجودہ تعلقات دوستی اور حمایت کے تعلقات ہیں جو ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۰ء کو دستخط شدہ معاہدے کے مطابق مقرر ہوئے ہیں۔ اس راضی نامے کی ایک نقل منسلک ہے۔ ہز مجسٹی شاہ (برطانیہ) کیلانٹن پر کوئی حقوقِ اقتدارِ اعلیٰ یا اختیارِ سماعت برتتا ہے اور نہ اسے ان کا دعویٰ ہے۔

"۴۔ مجھے یہ وضاحت کرنی ہے کہ ۱۹۱۱ء میں کیلانٹن کے راجہ نے ہز مجسٹی کی پسندیدگی کے ساتھ "سلطان" کا لقب اختیار کیا اور اب وہ "سلطان و مقتدرِ اعلائے مملکتِ کیلانٹن" ہیں۔

"۵۔ سلطان اپنی وزارت کے ساتھ انتظامِ مملکت کے لئے قوانین وضع کرتے ہیں اور سلطان باضابطہ طور سے قائم شدہ عدالتوں کے ذریعے سے عدل گستری کرتے ہیں، خطابات عطا فرماتے ہیں اور عام طور سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ بے شبہ اقتدارِ اعلیٰ کے عادی عوارض و متعلقات کو کام میں لاتے ہیں —

میں ہوں آپ کا نہایت مطیع خادم۔

"دستخط — مارٹن اسمتھ

"بخدمت ماسٹر جیلف

"عدالتِ اعلیٰ" (خط ختم ہوا)

اس جواب میں جو دستاویزیں منسلک تھیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کیلانٹن سابق میں سیام کی ماتحت تسلیم کی جاتی تھی۔ اور یہ کہ سیامی حکومت نے

معاہدۂ بنکاک کے ذریعے سے وہ تمام حقوق جو اسے کیلانٹن پر حاصل تھے برطانوی حکومت کو منتقل کر دیئے۔ اور نیز یہ کہ راضی نامہ مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۰ء کے مطابق جس کا وزیر (نوآبادیات) کے خط میں ذکر ہے کیلانٹن کے راجہ نے (جو بعد میں "سلطان" سے ملقب ہوئے) اقرار کیا کہ وہ ہز مجسٹی شاہِ انگلستان کے توسط کے بغیر کسی خارجہ سلطنت سے کوئی سیاسی تعلقات نہیں رکھیں گے اور (مذہب اسلام اور ملایا کے رواجات کو چھوڑ کر) جملہ انتظامی معاملات میں اس مشیر کے مشورے کی اتباع کریں گے جو ہز مجسٹی کی طرف سے مقرر کیا جائے۔ مدعی (کمپنی کی) جانب سے ان ہی دستاویزوں پر یہ بحث کی گئی کہ اگرچہ وزیر (نوآبادیات) نے اپنے خط مورخہ ۹ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں بیان کیا ہے کہ کیلانٹن ایک خود مختار مملکت ہے اور وہاں کے سلطان ایک مقتدر حکمران ہیں لیکن اس بیان کو خط کے ساتھ منسلک دستاویزات کے شرائط سے مشروط سمجھنا چاہیئے۔ اور یہ کہ (سرکاری) اطلاع کو بہ حیثیت مجموعی لیا جائے تو صحیح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کیلانٹن کوئی خود مختار نہیں بلکہ ایک ماتحت مملکت ہے اور نیز یہ کہ اسی بنا پر سلطان انگریزی عدالتوں کی کارروائی سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔

معزز رفقائے کار میری رائے میں یہ بحث چل نہیں سکتی۔ وآتل اپنی کتاب (قانون بین الممالک شائع کردہ پراد یئے فودے رے بزبانِ فرانسیسی ۱۸۶۳ء جلد اول باب اول) میں مقتدر مملکت کی یہ تعریف کرتا ہے کہ وہ ایک قوم ہے جو اپنے آپ پر اپنے ہی اقتدار اور اپنے ہی قانون کے ذریعے سے حکومت کرتی ہے اور کسی اجنبی سلطنت کے ماتحت نہیں ہوتی (ف ۴) لیکن اسی نے فقرہ (۵) میں یہ بھی قاعدہ مقرر کیا ہے کہ کوئی مملکت مقتدر مملکت کی حیثیت سے نکلے بغیر ایک غیر مساوی حلیفی کے ذریعے کسی قوی تر مملکت کے ساتھ مربوط ہو سکتی ہے

اور مؤلف آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کرتا ہے کہ :۔

"غیر مساوی حلیفیوں کے شرائط میں باہم غیر محدود اختلافات ہو سکتے ہیں چاہے یہ شرائط کچھ ہی کیوں نہ ہوں، اگر حلیف فروتر اپنے لئے اپنا اقتدار اعلیٰ یعنی اپنے آپ پر خود ہی حکومت کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے تو اس کو ایک ایسی خود مختار مملکت تصور کرنا چاہیئے جو دیگر (ممالک) سے قانون بین الممالک کے احکام کے مطابق کاروبار کرتی ہے۔

"اسی بنا پر اگر کوئی کمزور مملکت اپنی حفاظت کے لئے خود کو کسی قوی تر مملکت کی حمایت میں دے دے اور (اس حمایت کی) شکر گزاری میں یہ اقرار کرے کہ وہ متعدد ایسے فرائض انجام دیگی جو اس حمایت کے مطابق ہوں لیکن بہر حال خود کو اپنی حکومت اور اپنے اقتدار اعلیٰ سے محروم نہ کرے تو میں کہتا ہوں کہ ایسی مملکت مطلق اس بات سے دست بردار نہیں ہوتی کہ اس کو ان مقتدران اعلیٰ میں شمار کیا جائے جو قانون بین الممالک کے سوا کسی اور قانون کو تسلیم نہیں کرتے"۔

بے شبہ جو اقرارات کوئی مملکت کرتی ہے وہ اس طرح کے بھی ہو سکتے ہیں کہ اُن سے اُسکے اقتدار اعلیٰ اور خود مختاری کے عوارض و متعلقات محدود یا مشروط بلکہ خود زائل ہو جائیں (دیکھئے وٹین کی کتاب طبع پنجم صفحہ ۵۰) اور ہالیک کی کتاب طبع چہارم صفحہ ۳۱) (اور اس معین نقطے کو متعین کرنا جہاں سے اقتدار اعلیٰ ختم ہو جاتا اور ماتحتی شروع ہو جاتی ہے بعض وقت مشکل ہو سکتا ہے لیکن جہاں کہیں اس طرح کا سوال اٹھے تو مناسب یہ ہے کہ اس کا تعین عدالتیں نہ کریں (جو صرف قانونی اصول کے مطابق فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتی ہیں) بلکہ اس کا تعین حکومت ملک کرے جسے اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ مقدمہ کے جملہ حالات کو پیش نظر رکھے فی الحقیقت

برطانوی حکومت کا کسی مملکت کو مقتدر مملکت کے طور پر تسلیم کرنا یا نہ کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے جسے اس امر سے بڑا گہرا تعلق ہے کہ آیا اس مملکت کو ہماری عدالتوں میں بھی مقتدر تصور کیا جائے یا نہیں۔ مقدمۂ ہذا میں وزیر (نوآبادیات) کا جواب صاف طور سے بتاتا ہے کہ سلطان کیلانٹن نے برطانوی حکومت سے جو اقرارات کئے ہیں ان کے باوجود برطانوی حکومت سلطان کو ایک مقتدر اور خود مختار حکمران تصور کرتی ہے اور یہ کہ ہز مجسٹی شاہ (برطانیہ) اس ملک پر نہ تو کوئی حقوق اقتدار اعلیٰ یا اختیار سماعت برتتا ہے اور نہ اسے ان کا دعویٰ ہے۔ اس قطعی بیان کے بعد اگر کوئی برطانوی عدالت اس سے ایک مختلف نقطۂ نظر اختیار کرے تو ایک نامناسب تصادم کا اندیشہ ہے۔ میری رائے میں یہ عدالت کا فریضہ ہے کہ وزیر مملکت کے بیان کو جو اس قدر واضح اور ایجابی طور سے دیا گیا ہے اس مسئلے میں قطعی تصور کرلے۔

وائیکونٹ فنلے نے کہا:-

سب سے پہلا سوال جس کا تصفیہ کرنا ہے وہ کیلانٹن کی حیثیت ہے۔ کہ آیا سلطان کوئی مقتدر حکمران ہیں؟

یہ ایک طے شدہ قانون ہے کہ کسی اجنبی حکومت کی حیثیت کے متعلق عدالت اطلاع اور واقفیت کا اظہار کرے۔ اگر اس معاملہ میں کوئی شبہہ پیدا ہو تو عدالتوں کا طرز عمل یہ ہے کہ ہز مجسٹی کی حکومت کے کسی محکمۂ مجاز سے اطلاع حاصل کریں اور جو اطلاع اس طرح حاصل ہو وہ قطعی ہو۔ مقدمۂ فاسٹر بنام گلوب وینچر سنڈیکیٹ میں جسٹس فیرویل نے جو فیصلہ صادر کیا وہ میری رائے میں اس مسئلے پر جو کچھ قانون اور رواج ہے اس کا ایک بالکل صحیح بیان ہے۔ ایسے بہت سے معاملات ہیں جن میں عدالت پر اس بات کی پابندی ہے کہ

وہ اطلاع و واقفیت ظاہر کرے اور اس قسم کے معاملات میں وہ مسائل بھی
ہیں جو اجنبی سلطنت کی حیثیت اور سرحدوں کے متعلق ہوں۔ ان تمام معاملات
میں جنکے متعلق عدالت کو اطلاع رکھنی پڑتی ہے عدالت کو اجازت ہوتی ہے کہ کسی
مناسب ذریعۂ معلومات کی طرف رجوع کرے یہ عرصے سے طے شدہ ہے کہ کسی اجنبی
سلطنت کی حیثیت کے سوال پر مناسب ترین طریقہ یہ ہے کہ عدالت ہز مجسٹی کی حکومت کی طرف
رجوع کرے اور یہ کہ اس طرح کے معاملات میں عدالت اس بات کی پابند ہے
کہ اسے حکمہ مجاز سے جو اطلاع بہم پہنچائی جائے اسی پر عمل کرے۔ اس طرح کی اطلاع
شہادت کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ وہ اس ملک کے مقتدر اعلیٰ کا ایک بیان ہوتا
ہے جو اس کے وزرا میں سے ایک کے ذریعے سے ایک ایسے معاملے کے
متعلق دیا جاتا ہے جو خصوصیت کے ساتھ اسی کی اطلاع اور واقفیت میں ہو۔

وزارت نو آبادیات کا خط حقیقت میں صرف اس افسر کی رائے کا اظہار
نہیں کرتا جس نے اسے لکھا تھا اس کا پہلا ہی جملہ یہ ہے کہ "مجھے وزیر سرحدی
نے آپکو یہ اطلاع دینے کی ہدایت کی ہے کہ آپ کے خط مورخہ ۱۰ جولائی کا جواب یہ ہے
کہ کیلانٹن ایک خود مختار مملکت ہے اور ہز ہائینس سلطان اسماعیل وہاں کے موجودہ
مقتدر حکمران ہیں"۔ یہ ایک سرکاری جواب ہے جو وزیر مملکت نے حکومت کی
طرف سے دیا ہے۔

سوال یہ تھا کہ حکمران کیلانٹن کی حیثیت کیا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ اقتدار اعلیٰ
کیلئے کچھ نہ کچھ خود مختاری کا ہونا ضروری ہے لیکن اقتدار اعلیٰ کیلئے یہ ضروری نہیں کہ مکمل
خود مختاری بھی ہو۔ یہ امر اقتدار اعلیٰ کے بالکل مطابق ہے کہ مقتدر اعلیٰ چند امور میں
کسی دوسری سلطنت کے ماتحت ہو اور اس طرح کے اقرارات یا معاہدات پائے جائیں
جو اس مقتدر اعلیٰ کے اختیارات کو خود اندرونی معاملات میں بھی محدود کرتے ہوں لیکن

اُسکی اس حیثیت کو نقصان نہ پہنچاتے ہوں کہ وہ ایک مقتدر سلطنت ہے مقدمہ ہذا میں یہ ظاہر ہے کہ سلطان کیلانٹن بڑی حد تک ہز مجسٹی کی حکومت کے ہاتھوں میں ہیں وزارتِ نوآبادیات نے ماسٹر جیلیف کو جو جواب ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۲ئہ میں دیا اس میں بیان کیا گیا ہے کہ کیلانٹن جزیرہ نمائے ملایا میں ایک خود مختار مملکت ہے اور سلطان ایک مقتدر حکمران ہیں یہ کہ ہز مجسٹی کی حکومت نہ تو کیلانٹن پر کوئی حقوقِ اقتدارِ اعلیٰ یا اختیار سماعت برتتی ہے اور نہ اسے ان کا دعویٰ ہے اور یہ کہ سلطان قوانین وضع کرتے ہیں عدالتوں کے ذریعے سے عدل گستری کرتے ہیں اور عام طور سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ بلاشبہ اقتدارِ اعلیٰ کے عادی عوارض و متعلقات کو کام میں لاتے ہیں۔

اس بیان کے ہوتے ہوئے یہ بحث بالکل بیکار ہے کہ وزارتِ نوآبادیات نے اپنے خط کے ساتھ سیام اور برطانیہ کے ساتھ کئے ہوئے راضی ناموں کو منسلک کیا تو اس کا منشا یہ تھا کہ وہ یہ مسئلہ اس غرض سے عدالتوں کے سپرد کرتی ہے کہ وہ ان دستاویزوں کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ آیا سلطان مقتدرِ اعلیٰ ہیں یا نہیں خط کی عبارت اسطرح کی تعبیر کی اجازت نہیں دیتی جب خط اور دستاویزوں کو ملا کر پڑھا جائے تو یہ واضح ہے کہ وزیر مملکت پوری صفائی کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ سلطان ایک مقتدر حکمران ہیں اور یہ کہ دستاویزوں کو یہ وضاحت کرنے کیلئے منسلک کیا گیا ہے کہ ان کے اثر کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ کہ وزارتِ نوآبادیات ان کو ان کا پورا وزن دیکر اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ سلطان ایک مقتدر حکمران ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۰ئہ کے راضی نامے کے تحت سلطان پر یہ پابندی عائد ہے کہ وہ ہز مجسٹی شاہ برطانیہ کے توسط کے بغیر کسی اجنبی سلطنت سے کوئی تعلقات نہ رکھیں گے "مذہب اسلام اور ملایا کے رواجات کو چھوڑ کر تمام انتظامی معاملات میں" ان مشیروں کے مشورے پر عمل کریں گے جن کا ہز مجسٹی تقرر کرینگے لیکن یہ بحث کرنا لغو ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ

اس بنا پر زائل ہو گیا کہ ایک حامی سلطنت نے خارجہ تعلقات اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں۔ رہے اندرونی معاملات ان کی حد تک ہز مجسٹی کے مقرر کئے ہوئے مشیروں کی رہنمائی میں چلنے کی پابندی سے جس قدر امور مستثنا ہیں وہ ایک بہت بڑا استثنا قائم کرتے ہیں کیونکہ اس میں وہ تمام معاملات آجاتے ہیں جو مذہب اور رواجی قانون ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔ معاہدے کی دفعہ (۳) میں مراعات کے دینے اور عہدہ داروں کے مامور کرنے پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں اور دفعات (۶ و ۷) میں ڈاک، تار اور ریل کے متعلق جو قرار داد ہوئی ہے وہ سلطان کے اقتدار اعلیٰ کے بالکل مطابق ہیں اور اسی طرح دفعہ (۷) میں ریاست کے اندر ریل ڈالنے کے مراعات کی عطا پر جو پابندیاں عائد کیگئی ہیں ان کا بھی یہی حال ہے۔

دفعہ (۵) حسب ذیل ہے:۔

"ہز مجسٹی کی حکومت اس بات کا ذمہ لیتی ہے کہ مملکت کیلانٹن کے اندرونی انتظامات میں (بجز اس طور کے جس کی اس راضی نامے میں قرار داد ہوئی ہے) مزاحم نہ ہوگی جب تک کہ اس مملکت میں ان معاہداتی حقوق اور ان واجبات کی خلاف ورزی نہ ہو، جو ہز مجسٹی کی حکومت پر اجنبی حکومتوں کے متعلق ہیں اور نیز جب تک امن اور خوش انتظامی مملکت کیلانٹن میں باقی رکھے جائیں اور اس پر وہاں کے باشندوں کے فائدہ کے لئے اعتدال، انصاف اور انسانیت کے ساتھ حکومت کیجائے"

دفعہ (۸) میں یہ قرار داد ہوئی کہ "اس راضی نامے کی کوئی چیز اس انتظامی اختیار کو متاثر نہیں کریگی جو اس وقت راجائے کیلانٹن کو حاصل ہے"۔ اور یہ کہ راضی نامے میں قرار دئے ہوئے طریقے کے علاوہ راجا اور ہز مجسٹی کی حکومت کے تعلقات وہی ہونگے جو سابق میں ان کے اور سیامی حکومت کے مابین پائے جاتے تھے۔

اگرچہ اس کی خودمختاری پر وسیع تحدیدات عائد کئے گئے ہیں لیکن منسلکہ دستاویز

سے اِس خیال کی نفی نہیں ہوجاتی کہ اب بھی اتنی کافی خود مختاری چھوڑ دی گئی ہے جس سے اقتدارِ اعلیٰ کے دعوے کی تائید ہو سکے۔

لارڈ دیونے ڈین نے کہا: معزز رفقائے کار میں پوری طرح متفق ہوں.....

لارڈ سمنر نے کہا: معزز رفقائے کار۔ اگر آپ کی عدالت میں اس اہم موضوع کی ندرت نہ ہوتی تو میں آپ کو اس بات کی زحمت نہ دیتا کہ تفصیل کیساتھ ان وجوہ کو بتاؤں جن کی بنا پر میں یہ خیال کرتا ہوں کہ مرافعہ خارج کیا جائے۔

یہ اصول اچھی طرح طے ہوچکا ہے کہ کسی اجنبی مقتدرِ اعلیٰ پر ہمارے ہاں کی ملکی عدالتوں میں کوئی مقدمہ چلایا نہیں جاسکتا۔ البتہ وہ صرف اس صورت میں ان عدالتوں کے اختیار سماعت میں آجاتا ہے جب وہ اس کو تسلیم کرے خواہ وہ مدعی کی حیثیت میں پیش ہوا ہو یا کوئی اعتراض کے بغیر مدعی علیہ کی حیثیت میں آیا ہو۔ اس مقدمے کے اغراض کے لئے اِس بات کی ضرورت نہیں کہ قانون کے اس خاص نظریے تنقیح کیجائے جس پر یہ اصول مبنی ہے۔ اسی طرح یہ رواج بھی اچھی طرح طے ہوچکا ہے کہ عدالت کو اختیار ہے اور عموماً اسے چاہیئے بھی کہ متعلقہ وزارت سے اپنے طور پر دریافت بھی کرے تاکہ ضرورت ہو تو یہ تحقیق کر سکے۔ کہ آیا کوئی خاص مملکت مقتدر ہے اور آیا کوئی خاص شخص ایسی مملکت کا موروثی یا منتخبہ رئیس ہے یا نہیں۔

آپ کو وکلا نے صاف صاف کہدیا کہ یہ مقدمہ حقیقت میں مقدمہ میگل بنام سلطان جوہور کے خلاف ایک مرافعہ ہے اور مقدمۂ مذکور میں زیرِ ذکر طرزِ عمل کو پسند کیا گیا ہے اس مقدمے میں وزارتِ نوآبادیات سے حسب الحکم عدالت جو سوالات کئے گئے تھے ان کا صرف ہاں یا نہیں کر کے جواب نہیں آیا تھا بلکہ اثباتی جواب کیساتھ ان تفصیلات کا بھی ذکر کیا گیا تھا جن سے سلطان جوہور اور ملکۂ وکٹوریہ کے معاہداتی تعلقات کی تشریح ہوتی تھی۔ مقدمۂ شرقیہ میں بھی اسی طرح کا ایک سوال خدیو مصر کے متعلق وزارتِ خارجہ سے

کیا گیا تھا تو اس کا جواب نفی میں آیا تھا اور اس کے الفاظ یہ تھے:۔ "خدیو نہ تو مملکت مصر کے حاکم الوقت مقتدر ہیں اور نہ ہی ملکۂ معظمہ ان کو اب اس حیثیت کا تسلیم کرتی ہیں"۔ مقدمۂ آنت میں یہ جواب دیا گیا تھا کہ ہز مجسٹی نے عارضی طور سے جدید حکومت کے ساتھ اتحاد عمل کیا ہے لیکن اب تک سرکاری طور سے اس کو ایک مقتدر خود مختار مملکت کی حکومت کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا۔ مقدمہ گگارا میں وزارت خارجہ کا بیان یہ تھا کہ استونیا کو بطور مقتدر مملکت کے تسلیم کر لیا گیا ہے مگر صرف عارضی طور سے۔ غرض ایک مقدمے میں صراحت سے جواب دیا گیا تھا کہ تسلیم نہیں کیا گیا ہے دوسرے میں جواب دیا گیا تھا کہ زیر بحث مملکت مقتدر ہے نیز یہ زائد اطلاع بھی دی گئی تھی کہ اس مملکت کے ساتھ تاج کے معاہداتی تعلقات کیا ہیں تیسرے میں جواب دیا گیا تھا کہ ایک مشترکہ فعل عمل میں آیا ہے لیکن اقتدار اعلیٰ تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ چوتھے میں جواب دیا گیا تھا کہ اگرچہ صرف عارضی طور سے تسلیم کیا گیا ہے لیکن بہرحال زیر بحث مملکت کو مقتدر تسلیم کر لیا گیا تھا۔ دو مقدمے نیم آزاد مملکتوں کے متعلق تھے اور دو مقدمے ایسی حکومتوں سے متعلق تھے جو نئی تھیں اور ہنگاموں کی پیداوار تھیں لیکن ہر صورت میں ایک ہی طریقے پر عمل کیا گیا۔

معزز رفقائے کار مجھے اتفاق ہے کہ مرافعہ خارج کر دیا جائے۔

لارڈ کارسن نے کہا:۔ معزز رفقائے کار جیسا کہ لارڈ ایشر نے مقدمہ مائیگل بنام سلطان جوہور میں کہا تھا:۔ "جوں ہی ایک دفعہ ملکۂ برطانیہ اپنے وزیر مملکت کے توسط سے اس بات کی معتبر سند دیدے کہ فلاں مقتدر اعلیٰ کی کیا حیثیت ہے تو اس طرح کی سند ہمارے ملک کی عدالتوں کیلئے قطعی ہوگی"۔ چنانچہ اسی بنا پر اگر ہم حکومت کیلانتن کو ایک مقتدر مملکت قرار دیں تو بادی النظر میں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہرحال میں نہ تو اس حکومت پر اور نہ اسکی جائیداد پر ہمارے ملک کی عدالتوں کو اختیار سماعت حاصل ہوگا مقدمہ

پارلیمان بیلیئر میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ "ان تمام مقدمات سے جو اصول مستنبط ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر مقتدر حکومت کی خود مختاری مطلقہ کے نتیجے کے طور پر نیز بین الممالک تلطف و مدارات کے مطابق ہر ایک مقتدر مملکت کو اس بات کی ترغیب ہوتی ہے کہ دیگر مقتدر سلطنتوں میں سے ہر ایک کی خود مختاری اور اعزاز کا احترام کرے۔ ہر ایک مقتدر مملکت اس بات سے انکار کرتی ہے کہ اپنی عدالتوں کے ذریعے سے اپنے ہاں کے ارضی اختیار سماعت کا کسی دوسری مملکت کے مقتدر اعلیٰ یا سفیر کی ذات پر استعمال کرے نہ ہی کسی مملکت کی استعمال عام کی سرکاری جائیداد پر خواہ ایسا مقتدر اعلیٰ یا سفیر یا جائیداد اس کی سرزمین ہی میں کیوں نہ ہوں اور اس طرح اسکے اختیار سماعت ہی میں کیوں نہ ہوں کیونکہ اسی پر (بین الممالک) مشترکہ راضی نامہ ہوا ہے۔"

مقدمہ ہذا کے سلسلے میں ایک اور جگہ غور کرنے کے لئے اس بات کا نوٹ کرنا ضروری ہے کہ لارڈ ایشر کا مقدمہ مذکورہ بالا میں بیان کردہ "حقیقی اصول جس کی بناء پر ہر مقتدر اعلیٰ کا ہر ایک عدالت کے اختیار سماعت سے بری ہونا قیاس کیا جاتا ہے یہ ہے کہ اس طرح کا اختیار سماعت اگر کام میں لایا جائے تو اس کے شاہی اعزاز کے منافی ہوگا یعنی اس بات کے منافی ہوگا کہ اس کو ہر ایک برتر اقتدار سے خود مختاری مطلقہ حاصل ہو۔" اور یہ وہ خصوصیت ہے جس کا ایک مقتدر اعلیٰ یا مقتدر سلطنت کو دعویٰ کرنے کا حق ہوتا ہے۔

مدعی کا اصل استدلال مقدمہ ہذا میں یہ ہے کہ جوں ہی کوئی مقتدر مملکت ہماری عدالتوں کے اختیار سماعت کو تسلیم کر لیتی ہے وہ اپنی ان مذکورہ خصوصیتوں سے دست بردار ہو جاتی ہے اور اسی لئے عدل گستری کی خاطر اس کے ساتھ بالکل اسی طرح برتاؤ کیا جانا چاہیئے جس طرح کسی اور فریق مقدمہ کے ساتھ۔

معزز رفقائے کار...... یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ جب کوئی مقتدر سلطنت اپنے فعل کے ذریعے کسی ایسے طریقہ کارروائی سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہو جو ہمارے ملک کے قوانین نے اس کے دعووں کو نافذ کرنے یا اس کے جھگڑوں کو چکانے کیلئے مقرر کیا ہو تو اس اصول

کی خاطر کہ "بین الممالک تلطف و مدارات کے مطابق ہر ایک مقتدر مملکت کو اس بات کی ترغیب ہوتی ہے کہ دیگر مقتدر مملکتوں میں سے ہر ایک کی خود مختاری اور اعزاز کا احترام کرے" اس بات کی ضرورت ہو کہ ہماری عدالتیں اپنے آپ کو اس صریح ناانصافی سے وابستہ کریں کہ فریقین مقدمہ میں ہر ایک کو مساوی چارہ کار عطا کرنے سے انکار کریں ؟

میری رائے میں یہ مرافعہ منظور کیا جانا چاہیئے ۔

عدالت مرافعہ کا حکم بحال اور مرافعہ خرچہ کے ساتھ خارج ۔ (روئداد مقدمہ ختم)

آخر میں یہ میرا خوشگوار فریضہ ہے کہ یوم قیام سلطنت آصفی و سالگرہ یادگار اعلان خود مختاری کے موقع پر ایک وفادار رعیت کی حیثیت میں سرکاری مسرتوں میں اپنے کو شریک کروں اور اپنے پیش نظر اس فرمان شاہی کو ہمیشہ رکھوں جس میں حکم ہے کہ :-

"اس عظیم الشان واقعے کی یاد اس قابل ہے کہ اس کو دائماً تازہ رکھیں اور قومی زندگی کے اظہار کے لئے مزید کوشش عمل میں لائیں "

اسی لئے ایک حقیر کوشش ملک کی خدمت میں پیش ہے ۔

{ منقول از رہبر دکن حیدرآباد ۔ مورخہ ۱۹ ؍ آبان ۱۳۴۶ ف ۔
صفحات ۴ تا ۵ }

ہمارا معاہداتی موقف ــــــــ ایک غلط فہمی کا ازالہ

از مولوی میرزا ہادی علی صاحب کامل بی۔ اے۔ ایل' ایل۔ بی وکیل ہائیکورٹ

"ایڈیٹر بلیٹین کے غلط نظریے کا جواب" کے عنوان سے چند دن پہلے مولوی محمد داور حسین صاحب بی۔ اے۔ ایل' ایل۔ بی وکیل ہائیکورٹ نے جو مضمون آپ کے ہاں شائع کرایا ہے اس کے بعض نظریے شاید سہواً یا غلطی سے ایسے الفاظ میں بیان ہو گئے ہیں جن سے غلط فہمی کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ان کی جلد تنقیح اور تصحیح کر دی جائے۔

مثلاً انھوں نے لکھا ہے کہ "معاہدات کے ذریعے تاجدار دکن نے اپنے بعض شاہی اختیارات ایسٹ انڈیا کمپنی یا اس کی جانشین حکومت برطانوی ہند کے سپرد کئے تھے۔ ان ہی اختیارات مفوضہ کا دوسرا نام پیرامونٹسی ہے۔" مگر واقعہ یہ ہے کہ حیدرآباد نے اختیارات شاہی کسی کے سپرد نہیں کئے۔ دوسرے الفاظ میں برطانوی ہند کا دعویٰ برتری چاہے دوسری دیسی ریاستوں پر صادق آئے مگر مملکت حیدرآباد پر صادق نہیں آتا۔

چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کی اکثر دیسی ریاستوں سے انگریزوں کے جو معاہدات ہیں انہیں ماتحتانہ اتحاد عمل (Subordinate Cooperation)

کے الفاظ برتے گئے ہیں۔ ریاست کشمیر کے تعلقات خارجہ پر کوئی تحدید نہیں ہے لیکن اسے ایک خراج کے نام سے حکومت انگریزی کو بعض قیمتی چیزیں ہر سال دینی پڑتی ہیں اس کے برخلاف چشم بد دور حکومت حیدرآباد کے بین الممالک معاہدات میں ایسی چیز نہیں ملے گی۔ اختیارات شاہی یا اقتدار اعلیٰ کی قانون بین الاقوام کی مستند اور درسی کتابوں میں یہ تعریف کیجاتی ہے کہ کسی سلطنت کو اپنے داخلی اور خارجی معاملات میں کسی دوسری سلطنت کی منظوری یا رضامندی کی ضرورت نہ ہو لیکن غیر محدود اور مطلق خودمختاری دنیا میں کہیں نہیں پائی جاتی وہ صرف ایک اضافی امر ہے چنانچہ ہر خودمختار اور آزاد ملک پر اولاً اس بات کی پابندی ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کی مساوی خودمختاری کا احترام کرے اور اس کے معاملات میں دخل ہی نہ کرے باہمی مفاد کے تحت اور معاہدات کے تحت بھی پابندی قبول کیجاتی ہے۔ جیسے پھٹنے یا پھیلنے والی گولیوں کو نہ برتنے، زہریلی گیس استعمال نہ کرنے اور جنگ کو قومی سیاست نہ بنانے کے اقرار بھی ہوئے ہیں۔ سوئیٹزرلینڈ کو اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی اور سلطنت پر اعلان جنگ کا اقدام کرے اور اس کے معاوضے میں ہمسایہ سلطنتوں نے بھی اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔ معقولہ منرو کے تحت امریکہ کی کسی بھی سلطنت کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے علاقے میں غیر امریکیوں کو کسی پٹے، بیع یا ہبہ کے ذریعہ سے حقوق عطا کر سکے۔ حال میں ترکی، ایران، افغانستان، اور عراق نے معاہدہ کیا ہے کہ اپنے خارجہ تعلقات میں خاصکر کسی جنگ کے چھیڑنے پر بغیر باہمی مشوروں کے کوئی کام انجام نہیں دیں گے اور ولنگٹن ڈسپاچس میں ۱۸۰۲ء کے ایک خط میں درج ہے کہ ٹیپو سلطان، حضور نظام، پیشوا اور کمپنی بہادر میں بھی ایسا ہی ایک معاہدہ ہوا تھا۔ اس آپس کی مشورہ دہی کے علاوہ حیدرآباد کا بطور حق ارٹیہ کے قحط کے زمانے میں اور نیز اب سے

کوئی اکاون سال قبل افغانستان سے معاہدے کے موقع پر برطانوی ہند کی حکومت کو مشورہ دینا اور خود کو شریک عمل بنائے جانے کے لئے پیش کرنا کافی مثالیں ہیں۔ ہماری رائے اور مشورے کے لئے برطانیہ کے پاس سے معاملات تو اب بھی آئے دن آتے رہتے ہیں . . . . اس قسم کی بیسیوں پابندیاں سلطنتوں کی آزادی اور خودمختاری پر عائد ہوتی رہی ہیں اور کسی نے نہیں کہا کہ ان سے ایسی سلطنتیں کسی کی ماتحت ہو گئیں۔

جیسا کہ اوپر بیان ہوا حیدرآباد کے اقتدار اعلیٰ کا کوئی جزو نہ تو کمپنی بہادر کے سپرد کیا گیا تھا اور نہ کسی اور حکومت کو لے دے کر ۱۸۰۰ء کا معاہدہ ہے جس کی بارہا تحلیل کی گئی ہے کہ اس میں حیدرآباد نے کمپنی بہادر کی حکومت کو قبل از قبل اطلاع دیئے اور مشورے میں شریک رکھے بغیر تجارتی تعلقات نہ پیدا کرنے کا جو اقرار کیا ہے اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ۱۷۹۸ء کے خط میں بیان شدہ مذکورہ صدر دوستانہ اقرار کی مزید توثیق کی جائے اور انگلستانی عدالتی نظیریں (مثلاً میگل بنام سلطان جوہور) بتاتی ہیں کہ اس طرح کے معاہدات سے اقتدار اعلیٰ ذرا بھی متاثر نہیں ہوتا۔

غرض تاجداران حیدرآباد نے اپنے اختیارات شاہی یا اقتدار اعلیٰ کو خواہ وہ اندرونی معاملات کے متعلق ہوں یا بیرونی معاملات کے متعلق کسی دوسری سلطنت کے سپرد نہیں کیا ہے۔ البتہ اپنے کچھ علاقے مثلاً شمالی سرکار اضلاع مفوضہ اور برار بے شک انگریزی حکومت کے پاس امانت اور کفالت میں رکھائے ہیں کہ وہ بوقت ضرورت ہمیں فوجی مدد دے۔ اس سلسلہ میں ناظرین کو یاد ہوگا کہ حال میں مرکزی مجلس مقننہ میں شملے میں ایک سوال کے جواب میں سرکاری طور سے کہا گیا کہ برطانوی ہند کی فوجی قوت اس قابل نہیں ہے کہ کسی بڑی سلطنت کے مقابلے میں اپنی

آپ مدافعت کر سکے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب برطانوی ہند کی حکومت اپنی آپ مدافعت نے کے ناقابل ہے تو وہ کس حد تک ہم کو آڑے وقت مدد دے سکے گی۔ مجبوراً ہماری حکومت کو اب یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ان "سپرد کئے ہوئے" صوبوں کو واپس لے لے اور اپنی آپ حفاظت کا خود انتظام کرے! اور ایک موزوں بری، بحری، اور ہوائی فوج کو جلد سے جلد وجود میں لائے اور اس بارے میں ہمارے حلیف انگریزوں سے جن کو دو سو سال سے ہر کڑے سے کڑے وقت ہم اپنی کچھ نہ کچھ مدد دیتے رہے ہیں فنی اور اخلاقی مدد لے۔ ہماری یہ مضبوط قوت آئندہ بھی انگریزوں کی مدد کے لئے تیار رہے گی۔ اور حلیف صادق کی حیثیت سے ہمارا جو سابقہ ریکارڈ ہے اس پر کبھی بھی اور ذرہ برابر بھی شرمانے والا کوئی کام ہم نے نہیں کیا اور یقیناً آئندہ بھی اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

چونکہ جبل الطارق اور باب المندب کے تنگنائے اب خطرات سے لبریز ہیں اسی لئے انگلستان نے اب آسٹریلیا میں اسلحہ سازی کے ترقی پذیر کارخانے قائم کئے ہیں ضرورت ہے کہ حیدرآباد اور برطانوی ہند میں بھی اس کا جلد سے جلد انتظام کیا جائے۔ ورنہ اٹلی، جاپان، اور ان کے حلیفوں کی حرص و آز نہ معلوم کس وقت کیا مشکلات پیدا کرے اور اس کی بھی ضرورت ہے کہ ملٹری کالج کے قیام کیلئے شرف صدور لایا ہوا فرمان خسروی جلد سے جلد نافذ کیا جائے۔ اور اس میں ہوابازی کا نصاب بھی شامل کیا جائے۔ ہماری اس بڑھتی ہوئی فوجی قوت سے برطانوی ہند کی مشکلوں میں کافی کمی ہو جائیگی۔ اور ہم اپنے حلیف پر بار گراں نہیں رہیں گے۔ ان سب کے علاوہ میثاق مجلس اقوام کی دفعہ (۹) بھی یہاں قابل ذکر ہے جس کا برطانیہ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی سچا حامی نہ ہوگا۔

"اسمبلی وقتاً بوقتاً مجلس اقوام کے ارکان کو مشورہ دیگی کہ ان معاہدات

پر نظرِ ثانی کریں جو ناقابل عمل ہو گئے ہیں۔ اور ان بین الاقوامی حالات
پر توجہ کریں جن کے جاری رہنے دینے میں امن عالم کو خطرہ لاحق ہو سکے۔"
اس دفعے کے جزوِ اول کے تحت ہماری حکومت اگر ہمارے ہاں کوئی ایسے معاہدات
ہوں (مثلاً بحری محصول در آمد وغیرہ) تو ان کی نظرِ ثانی کی ہر وقت خواہش کر سکتی ہے۔
امید ہے کہ جناب داور حسین صاحب اس توضیح کے بعد اپنے خیالات
بدل دیں گے۔

(منقول از رہبرِ دکن حیدر آباد مورخہ ۱۶ آبان ۱۳۴۶ف)

سلطنتِ اسلامیہ آصفیہ

سرکارِ عالی واقف ہے کہ اورنگ آباد کے ان جاگیرداروں کے متعلق جو سلاطین مغلیہ کی عطا کردہ سند کی بنیاد پر قابض ہیں۔ خاص کر علاقہ اورچھہ کے متعلق یہ بحث اٹھی تھی کہ استحقاق وغیرہ، مقدمات عدالتی، جانوران شکاری، قبرستان، مرگھٹ وغیرہ کے متعلق اختیارِ سماعت کس کو ہے اور سرکارِ عالی کے دعوے کو برطانوی حکومت نے صراحت سے تسلیم کر لیا کہ ممالک محروسہ سرکارِ عالی کی حد تک سلطنت آصفیہ ہی سلطنت مغلیہ کی جانشین ہے۔ اور اسے وہی حقوق و فرائض حاصل ہونگے جو قانون بین الاقوام کے مطابق جانشینِ سلطنت کو حاصل ہوتے ہیں اسی لئے سلطنت مغلیہ کے قوانین ہی سلطنت آصفیہ میں رائج سمجھے جائیں گے جب تک کہ صراحت کیساتھ ان کے کسی جزء یا اجزاء کو منسوخ یا تبدیل نہ کیا جائے سلطنت مغلیہ کے متعلق شاہجہاں کا جو فرمان ہے اس سے زیادہ صریح و صاف کوئی حکم نہیں ہو سکتا۔

"چوں ما بدولت و اقبال بادشاہ اسلام و مروجِ دینِ متینِ حضرت سیدالانام علیہ وآلہ واصحابہ صلوات اللہ الملک العلام و مؤید و مروج اہل سنت و جماعتیم برما واجب است کہ در ہر جا کہ حکم اشرف اقدس ما جاری باشد احکام شریعت غرا و ضوابط ملت بیضا را جاری سازیم و آثارِ بدعت و ضلالت را محو فرمائیم" (عمل صالح کنبوہ ج ۲ ص ۱۲۹)

[شاہانِ آصفی کو تسلیم و توثیق تخت نشینی کا جو پروانہ دہلی سے آتا تھا اس میں بھی مغل بادشاہ کیطرف سے شریعت پر عمل کرنے کا حکم ہمیشہ درج ہوتا تھا]

سنہ ۱۸۶۲ء میں ملکۂ انگلستان کی طرف سے لارڈ کیننگ نے جو اطمینان دہی کا خط

حضور نظام کے پاس بھیجا تھا اس میں بھی صراحت سے تسلیم کیا گیا ہے کہ حیدر آباد میں احکام شرعی نافذ ہیں۔ اور حکمران کی جانشینی اسی کے مطابق ہوتی ہے تو ملکۂ انگلستان کو اس کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ ۲۴ جنوری ۱۹۱۶ء کو قصر بکھنگم سے شاہ جارج پنجم نے جو خط بندگانعالی اعلیحضرت کے نام لکھا تھا اس میں بھی حکمران حیدر آباد کو (دی لیڈنگ محمڈن پرنس آف انڈیا) "ہندوستان کے رہنما مسلم حکمران" کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ چوڈی شل کمیٹی سرکار عالی نے بھی بارہا تسلیم کیا ہے کہ حیدرآباد کا قانون غیر موضوعہ شرع شریف ہے۔ ضابطۂ وضع قوانین سرکار عالی میں بھی حکم دیا گیا ہے کہ جدید قوانین بناتے وقت سب سے پہلے شرع شریف سے مدد لیں۔

(انتخاب از یادداشت مجلس علماء دکن ۱۱ از رہبر دکن حیدرآباد ۲ امرداد ۱۳۴۶ف)

تتمہ۔ فرامین شاہی

(۱) "حکم: قدیم الایام سے یہ مسلّم امر ہے کہ اس ریاست کا مذہب سنی الحنفی ہے تو سرکاری مدارس میں حسب عملدرآمد صرف حنفی فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ البتہ دوسرے فرقہ والے مسلمان و غیر مسلم طلبہ کے لئے یہ تعلیم لازمی نہ ہوگی بلکہ جہاں کہیں سنی طلبہ کے لئے مذہب حنفی کی تعلیم مقرر ہو وہاں نصاب تعلیم کے توازن میں مساوات قائم رکھنے کے لئے دوسرے طلبہ کے لئے جو اس جماعت میں تعلیم پانا چاہتے ہوں عام اخلاقیات کی تعلیم مہیا کر دی جائے۔ د لیں" شرحد بخط مبارک۔ مورخہ ۱۱ رجب ۱۳۴۲ھ

(۲) سال حال کے ایک فرمان خسروی میں محکمۂ تعلیمات کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس امر کو یاد رکھے کہ مملکت آصفیہ ایک اسلامی مملکت ہے اور یہاں کوئی ایسا کام نہ ہو جس سے بیرون میں بدنامی ہو یا وہاں اس سے غلط استدلال کیا جائے کہ اسلامی حیدرآباد میں بھی ایسا

(۳) دور عثمانی کے آغاز کا ایک فرمان محکمۂ امور مذہبی کی عرضداشت پر صادر و شائع ہوا تھا۔ اس میں بھی انہیں امور پر زور دیا گیا تھا۔

ایسے بکثرت دیگر فرامین بھی ہیں جن کے ساتھ آصف سادس کی ہیرے کے معدن سے متعلق گواہی کے موقع پر شائع شدہ جریدہ غیر معمولی کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔ (ناشر)

حیدرآباد اور تعلقات خارجہ

از مولوی محمد یحییٰ صاحب

مولوی میر حسن الدین صاحب نے وفاقیات پر اپنے فاضلانہ اور محققانہ مقالے لکھ کر ملک کی جو خدمت کی اور عوام کی جو رائے سازی کی ہے وہ اب کسی تعارف یا شکریے کی محتاج نہیں۔ ان کی حالیہ کتاب "وفاق اور ریاستیں" ہر محب وطن کے گھر میں نظر آتی ہے۔ مگر موصوف نے اس کتاب کے مقدمے میں ایک ایسا جملہ لکھا ہے جو نہ تو خود ان کی غور کردہ رائے ہوگی اور نہ ہی واقعات و حقائق پر مبنی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"حیدرآباد ایک ایسی خود مختار سلطنت ہے جس نے اپنی مصلحتوں کی بنا پر مدافعت اور امور خارجہ کو ہمسایہ حکومت برطانوی ہند کے تفویض کیا اور بقیہ شاہی اختیارات اپنے لئے محفوظ رکھ چھوڑے۔ ان دو امور سے قطع نظر حیدرآباد ہر اعتبار سے ایک خود مختار شاہی کا حامل ہے۔"

یہ بیان تاریخی اور معاہداتی (یا واقعاتی اور نظریاتی) دونوں حیثیتوں سے غلط ہے۔ پہلے مدافعت کو لیجئے۔ سبسیڈیری فوجوں نے حیدرآباد کی کبھی مدافعت نہیں کی ورنہ آج حیدرآباد کا رقبہ اتنا کم نہ ہوتا۔ ہر طالب علم تاریخ جانتا ہے کہ ان امدادی فوجوں کی عدم امداد ہی کے باعث ممالک محروسہ سرکار عالی کے بعض صوبے پیشوا وغیرہ کی ہمسایہ ریاستوں نے چھین لئے تھے اور بعض صوبے خود مختار بن گئے تھے اور ان سے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ان کو بعد میں فتح کر لیا۔

حیدرآباد اپنی مدافعت ہمیشہ خود ہی کرتا رہا ہے۔ بلکہ خود برطانوی ہند کی مدافعت

بڑی حد تک حیدر آباد اور صرف حیدر آباد کر رہا ہے۔ کیا اسے جھٹلایا جا سکتا ہے؟
خارجہ تعلقات کا معاملہ اس سے بھی بڑا مغالطہ ہے۔ مولوی حسن الدین صاحب کا
بیان غالباً سنہ کے معاہدے کے فقرہ (۱۵) پر مبنی ہے۔ وہ دفعہ یہ ہے:۔

"موجودہ معاہدے سے دونوں مملکتوں کا اتحاد اور دوستی اس قدر مضبوطی
سے جڑ گئے ہیں کہ ان کو ایک ہی قرار دیا جا سکتا ہے اس لئے اعلیٰحضرت حضور نظام
اپنے آپ کو پابند کرتی ہیں کہ آئندہ کسی بھی سلطنت سے کوئی گفت و شنید کریں گے
اور نہ جاری رکھیں گے۔ جب تک کہ معزز ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت
کو پیشگی اطلاع دے کر باہم مشورہ نہ کرلیں اور معزز کمپنی کی حکومت اپنی حد تک
بذریعہ ہذا اعلان کرتی ہے کہ اسے اعلیٰحضرت کے بچوں، رشتہ داروں،
رعایا، یا ملازمین سے کوئی تعلق نہیں اور ان کی حد تک اعلیٰحضرت
مختار مطلق ہیں۔"

جیسا کہ معاہدے کے الفاظ بتاتے ہیں حیدر آباد کے خارجہ تعلقات کی ممانعت
ہرگز نہیں ہوئی ہے وہ صرف مشروط ہو گئے ہیں کہ رزیڈنسی کو پیشگی اطلاع دیں اور اس سے
مشورہ کرلیں۔ اس میں ہرگز یہ شرط نہیں ہے کہ رزیڈنسی کا ہر مشورہ ضرور مان بھی لیا جائے
یہ نظری حیثیت ہے۔ واقعاتی حیثیت سے یہ ایک حقیقت ہے کہ اس معاہدے
کے بعد بھی عرصے تک حیدر آباد کے خارجہ تعلقات پیشوا وغیرہ کی حکومتوں سے (جن پر اس
وقت تک انگریزی برتری کا اثر نہ تھا) راست اور بلا توسط حکومت انگریزی رہے ہیں۔

حیدر آباد نے تو اپنے خارجہ تعلقات کو بعض شرائط سے پابند کیا ہے لیکن ملایا کی
ریاست جوہور نے صراحت کے ساتھ اور بلا کسی قید و تحفظ کے انگریزوں کے سوا کسی
حکومت سے بھی تعلقات نہ رکھنے کا معاہدہ کیا تھا۔ اس کے باوجود انگلستان کے
ایک مقدمے میں اس کی حیثیت کے متعلق لارڈ جیمس کے جو رائے دی ہے وہ ہماری

آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

"سلطان نے ممالک غیر سے معاہدہ نہ کرنے کا جو عہد کیا ہے میری رائے میں اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سلطنت نے معاہدہ کرنے کا حق ہی زائل کر دیا ہو۔ بلکہ یہ صرف اس بات کی شرط ہے کہ برطانیہ ان کی حفاظت کرے اگر سلطان اپنے عہد کو نظر انداز کرنا چاہیں تو برطانیہ کی حفاظت کو ہاتھ سے کھو دیں گے۔ یا ممکن ہے کہ برطانیہ کے ساتھ دیگر مشکلیں پیدا ہوں لیکن میری رائے میں سلطان کے معاہدے میں ہرگز کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے سلطان جوہور کے خود مختار و مقتدر اعلیٰ (انڈیپنڈنٹ ساورین) ہونے پر کوئی قید عاید ہو یا وہ خود مختار مطلقاً تسلیم نہ کئے جائیں۔"

صرف تیئیس (۲۳) مربع میل کی جمہوریہ سان مارینو چاروں طرف اٹلی کے علاقے سے گھری ہوئی ہونے کے باوجود خود مختار رہ سکتی ہے تو ایک لاکھ مربع میل کی حیدرآبادی مملکت کیوں نہیں رہ سکتی۔ حیدرآباد نے حلیفی کا جو خاد امانہ رکارڈ چھوڑا ہے وہ برطانیہ کے لئے مستقبل میں باعث تشویش نہیں بلکہ قابل تقلید ہے۔

توقع ہے کہ محترم میر حسن الدین صاحب اس حقیر توجہ دہانی کو قبول فرمائیں گے

(از رہبر دکن ۱۴ امرداد بہشت ۱۳۴۶ ف)

"جلالت مآب" کا لقب حضور پُر نور کے اسمِ گرامی کیساتھ

از محمد یحییٰ صاحب

قانون بین الممالک میں یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ "چونکہ مملکتوں کو ہر طرح کا اقتدارِ اعلیٰ حاصل رہتا ہے اسی لئے وہ اپنے حکمرانوں کو جو لقب چاہیں دے سکتی ہیں" (اوپن ہائیم انٹرنیشنل لا جلد اول صفحہ ۳۴۵ تا ۴۶، **Since states are sovereign they can bestow any titles they like on their heads.**

گو یہ صحیح ہے کہ کسی حکمران کے نئے خطاب یا لقب کا غیر ممالک کی وزارت خارجہ کیجانب سے فوراً تسلیم کر لیا جانا ضروری نہیں اور نہ اس سے اس لقب کے جواز پر کوئی اثر پڑتا ہے ..... جب کبھی نیا لقب اس لقب کو اختیار کرنے والے حکمران کی حیثیت اور اہمیت کے لحاظ سے موزوں ہو تو اسے عموماً تسلیم ہی کر لیا جاتا ہے۔ دوست جلد اور مخالف بدیر۔ چنانچہ سنہ ۱۷۲۱ء میں شاہ پیٹر نے "شہنشاہ روس" کا لقب اختیار کیا تو فرانس نے اسے سنہ ۱۷۴۵ء تک اور اسپین نے سنہ ۱۷۵۹ء تک اور پولینڈ نے سنہ ۱۷۶۴ء تک تسلیم نہیں کیا تھا۔ پروشیا (جرمنی) کے حکمران نے بادشاہ کا لقب بھی اسی سنہ ۱۷۰۱ء میں اختیار کیا تھا لیکن پوپ نے سنہ ۱۷۸۶ء تک اسے تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس کی جدید ترین مثال شاہِ اٹلی کی ہے جس نے خود کو شہنشاہ حبش قرار دیا ہے لیکن یہ خطاب ابھی عام طور سے تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

یہ امر بارہا ثابت کیا جا چکا ہے کہ حیدرآباد نہ صرف بالاستحقاق بلکہ فی الواقعہ بھی

ایک خود مختار مملکت ہے اور اس پر قانون بین الممالک کا ایسے ہی اطلاق ہوتا ہے جیسے مثلاً یمن پر جو چار رجاز تعلقات میں حجاز سے مشورے کا پابند ہے۔ یا عراق اور مصر پر جو اب بھی برطانیہ کے مشورے لیا کرتے ہیں۔ کیونکہ حیدر آباد کی خود مختاری پر اگر کوئی پابندی ہے تو صرف اتنی کہ تعلقاتِ خارجہ شروع کرتے وقت رزیڈنسی کو اطلاع دے کر اسے شریکِ مشورہ رکھے اور بس۔ حسب معاہدہ رزیڈنٹ کا مشورہ ماننے تک کی پابندی نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ہماری تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور ہمارے عہد ناموں کو پڑھا ہے وہ میری اس رائے سے پورا پورا اتفاق کریں گے۔

تاریخ کے پڑھنے والے ناظرین واقف ہیں کہ وائسرائے ہیسٹنگز نے اب سے کوئی ڈیڑھ صدی پہلے اپنے ہمعصر حضور نظام کو "ہز مجسٹی" سے خطاب کرنا چاہا تھا۔ اور استدعا کی تھی کہ حضور نظام یہ لقب اپنے لئے برتا کریں۔

اسی طرح یہ بھی اب کوئی راز کی بات نہیں رہی کہ حضرت غفران مکان آصفجاہ ششم کو "ہز اگزالٹڈ ہائینس" کا خطاب حکومت برطانیہ کی طرف سے پیش کیا جانے والا تھا۔ اور جب حضور غفران مکان سے استصواب کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر شاہِ انگلستان چاہتے ہیں کہ وہ ہندوستان کے شہنشاہ کہلائیں تو یہ ایک ناگزیر منطقی ضرورت ہے کہ ہندوستان میں کم از کم کوئی ایک بادشاہ ہو جو انہیں شہنشاہ کہے۔ اسی لئے یا تو انہیں ہز مجسٹی اور بادشاہ حیدر آباد سے مخاطب کیا جائے ورنہ انہیں بیرونی خطابات و القاب کی کوئی خاص چاہت نہیں وہ "ہز ہائینس" ہی رہنا کافی سمجھتے ہیں۔ اس استدلال کی صحت کو برطانوی حکومت نے مان لیا تھا۔ اور یہ طے ہو گیا تھا کہ جارج پنجم کی تخت نشینی کے سلسلے میں دہلی دربار کے وقت حضور نظام بھی تشریف لائیں اور انہیں اس وقت سے ہز مجسٹی کے شاہانہ خطاب سے مخاطب

کیا جانے لگے دربار مذکور کو ابھی چند مہینے ہی رہ گئے تھے کہ شاہ دکن کو مالک الملک جل شانہٗ کی طرف سے پروانۂ طلبی پہنچا اور وہ جنت کو سدھارے بچھڑ ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

بندگانِ عالی حضور آصف جاہ ششم (خود جن کے ماتحت بھی کئی "ہز ہائینس" بطور ملازم و عہدہ دار موجود تھے اور ہیں) اگر چاہتے تو اس وعدے کے ایفا پر اصرار کر سکتے لیکن آپ کی مستغنی طبیعت دیکھئے کہ آپ ہز ہائینس ہی کہلانے پر مطمئن رہے ورنہ حضور آصف جاہ ششم سے کیا ہوا وعدہ یقیناً ضرور ایفا ہوتا۔ اس زمانے کی بین الممالک صورت حال بھی ویسی ہی مخدوش تھی جیسی آج کل اور حیدرآباد کی حلیفانہ مدد کی برطانیہ کو ویسی ہی قدر اور ضرورت تھی جیسی آج لیکن شاہان دکن ہمیشہ سے دینے کے عادی رہے ہیں ان کی تمکنت اور وقار انہیں کبھی مانگنے پر آمادہ نہیں کر سکتے تھے۔

مختصر یہ کہ جب "ہز مجسٹی" کا لقب حضور نظام کو ایک سے زائد مرتبہ خود برطانیہ کی طرف سے پیش ہو چکا ہے اور جب کسی لقب کا اختیار کرنا ایک خود مختار فرمانروا کا اپنا خانگی اختیاری امر ہے اور حیدرآباد کی عظمت و بزرگی بھی اس کی متقاضی ہے کہ اس کے فرمانروا کی حیثیت کسی قسم سے بھی کم نہ ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر بندگان ذات شاہانہ اپنی آنے والی سالگرہ مبارک کی تقریب میں "جلالت مآب" کا لقب اپنے لئے سرکاری طور پر برتنا منظور فرمائیں — (جو یوں بھی عرصے سے صحافت میں برتا جاتا ہے) — تو جاں نثار رعایا کی دلی مرادیں بر آئیں اور رعایائے دکن کو ذات شاہانہ پر جو گوناگوں مفاخر ہیں ان میں ایک نئے امر سراسر فخر کا اضافہ ہو اور یقین ہے کہ ہمارے موروثی اور وفادار حلیف بھی اس کو فوراً تسلیم کر کے حق بحقدار کے علاوہ اپنی روایاتی دوستی کا ثبوت دیں گے اور دیگر ممالک سے بھی اپنے

اثر سے منوالیں گے۔ گو یہ دیر آید کا مصداق ہے مگر ہم اسے درست آید کہہ کر گوارا کرلیں گے۔

اس میں کوئی پس و پیش اس لئے بھی نہ ہونا چاہیئے کہ زیر انتداب عراق اور زیر تحفظات مصر کے فرمانرواؤں کو بھی ان کی واقعی آزادی کے پہلے ہی سے "ہز مجسٹی" سے مخاطب کیا جاتا رہا ہے۔ اس سے نہ معاہدات بدلتے ہیں اور نہ برطانیہ و حیدرآباد کی دوستی میں فرق آتا ہے بلکہ اس میں مزید استحکام پیدا ہو جانا یقینی ہے۔

ہماری دلی آرزو ہے کہ حضور شاہانہ کی آئندہ سالگرہ مبارک تک اس کا اعلان ہو جائے۔

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

(رہبر دکن مورخہ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۶ھ)

لسانُ الامّت کا ایک نطقِ حقیقت

حضرات! زمانے کی گردشوں نے شاید ہی کبھی ایسے پُر آشوب لیل و نہار پیدا کئے ہونگے جن سے آج آپ اور ہم گزر رہے ہیں۔ علم و حکمت کی فراوانی نے دنیا کی وسعتوں کو ایک دوسرے سے جس قدر قریب کیا دنیا کے معاملات اتنے ہی زیادہ پیچیدہ اتنے ہی زیادہ پریشان کن اور اتنے ہی زیادہ لاینحل ہوتے گئے معیارِ حیات کی بلندی، احتیاجاتِ انسانی کی کثرت اور تصوراتِ انسانی کی وسعتوں نے ہزبان سے "ہل من مزید" کی صدائیں بلند کرائیں۔ دنیا میں نئے نئے سیاسی مذہب پیدا ہوئے اور ان میں سے ہر ایک نے مادرِ گیتی کو اپنے بس میں لینے کی کوشش کی۔ گزشتہ بیس برس میں انسانی فکرِ سیاسی نے جتنے بچے پیدا کئے شاید ہی تاریخ کے کسی اور دور میں پیدا ہوئے ہوں۔ اشتراکیت، اشتمالیت، نازیت، فاشطیت اور گاندھیت ان میں سے ہر ایک آج متعلم سیاسیات کے لئے مرکزِ فکر و نظر بنا ہوا ہے۔ ایک عالمگیر جنگ سے دنیا نے بیس برس پہلے نجات پائی تھی اور دوسری عالمگیر جنگ آج صفاتِ انسانیت کی تباہی کا سامان پیدا کر رہی ہے مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں کرنی ہے کہ دو متحارب فریقوں میں کون برسرِ حق ہے لیکن مجھے یہ ضرور دیکھنا ہے کہ اس عظیم الشان جنگ کے نتائج و عواقب ہندوستان اور حیدرآباد پر کیا مرتب ہوں گے کوئی سمجھدار آدمی بھی اٹلی، جرمنی اور روس کے درندہ صفت اقدام کو گوارا نہیں کرسکتا جو اس عرصے میں حبشہ،

البانیہ، آسٹریا، چکوسلواکیہ، پولینڈ اور فن لینڈ میں کیا گیا۔ اس جنگ میں ہماری ساری ہمدردیاں اور اعانتیں صاف ظاہر ہے کہ اسی فریق کو حاصل ہو سکتی ہے۔ جو تحفظِ انسانیت اور ایفاءِ عہد کے لئے برسرِ پیکار ہو۔ ہر ایک حیدر آبادی جب کہ اعلیٰحضرت بندگان عالی تاج برطانیہ کے حلیف اور یار وفادار ہیں، فرداً فرداً اپنے آپ کو برطانیہ کا حلیف اور یار وفادار تصور کرتا ہے۔ اور جب کہ اعلیٰحضرت بندگانِعالی نے سلطنت برطانیہ کی اعانت کا وعدہ فرمایا ہے تو ہر ایک مسلمان اس وعدے کی تکمیل کا ذمہ دار متصور ہو گا لیکن جو سوال کبھی کبھی حیدر آبادی مسلمان کے دل میں کھٹک جاتا ہے اور اُن کو بے چین کر دیتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان کی بے ریا مخلصانہ اور وفادارانہ دوستی کا تاریخ کے ہر دور میں اُن کو کیا صلہ ملا۔ اور آئندہ وہ کیا توقع رکھ سکتے ہیں؟

ہندوستان کے مستقبل میں حیدرآباد کی حیثیت

باوجود اس کے کہ کانگریسی وزارتوں نے استعفاء دیدیا اور فی الحال کانگریسی صوبوں میں ۱۹۳۵ء کا دستور معطل ہے اور باوجود اس کے کہ مسلم لیگ بجا طور پر کانگریس سے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی طلبگار ہے اور اس وقت تک تعاون عمل کرنے کو تیار نہیں جب تک اس کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا جائے اور پھر باوجود اس کے کہ برطانوی حکومت گذشتہ چند ماہ میں اپنے ارادوں میں مضبوط اور مستقل نظر آتی رہی ہے۔ سیاسیاتِ حاضرہ کا تسلسل مستقبل کے پردوں میں ہندوستان کیلئے متغیر نتائج مرتب ہوتے کو چھپا ہوا دیکھ رہا ہے۔ یہ امر میرے موضوع سے الگ ہے کہ کانگریس اپنے اس ڈھائی سالہ دورِ حکومت میں مسلمانوں کے تحفظِ حقوق سے قاصر رہی یا نہیں، مسلمانوں پر کانگریسی صوبوں میں زیادتیاں ہوئیں یا نہیں، مسلمانوں کو آزادی کی اس جنگ میں غیر مشروط طور پر کانگریس کا ساتھ دینا چاہیئے یا اپنی انفرادیت کو

برقرار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ کیا ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہندوستان میں قائم ہونیوالی مقبوضاتی حکومت اپنے آپ کو دیسی ریاستوں کے مقابلے میں تاج برطانیہ کا قائم مقام تصور کرے، اور ریاستوں سے خواہش کرے کہ وہ اس کو اپنا مقتدر اعلیٰ تسلیم کریں مسٹر گاندھی اور دوسرے کانگریسی زعماء کے متعدد بیانات اُن کی اسی تمنا پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن کانگریس کے ارباب اقتدار کو واقف ہو جانا چاہیئے کہ حیدرآباد اپنی تاریخ کے ہر دور میں ایک آزاد سلطنت رہا ہے اور آئندہ بھی ایک آزاد سلطنت رہے گا۔ اور سلطنت برطانیہ کے ساتھ اس کے دوستانہ اور حلیفانہ تعلقات ایسے نہیں ہیں جو ایک سے دوسرے کے ہاتھوں فروخت یا منتقل کئے جائیں۔ اگر تاج برطانیہ ہندوستان کی سیاست میں کسی ایسی تبدیلی کو گوارا کر لیتا ہے جو ہندوستان میں اس کے اقتدار کی قلت کا باعث ہوا اور وہ اپنے حلیف یعنی حیدرآباد کے ساتھ کئے ہوئے معاہدات کی تکمیل کے قابل نہ رہے تو اس کا پہلا فریضہ یہ ہو گا کہ وہ ساری ذمہ داریاں جو حیدرآباد کی طرف سے اُس نے اپنے اوپر لی تھیں حیدرآباد کو واپس کر دے۔

سر اسٹافرڈ کرپس نے ہندوستانی سیاست کے میدان میں چاہے جتنی ٹھوکریں کھائی ہوں لیکن اقتدار اعلیٰ کی تبدیلی سے متعلق اُن کا یہ جملہ داد و تحسین حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ "تاج برطانیہ کا اپنی پیراماؤنٹسی کو کانگریس کے تفویض کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس کو جاپان کے تفویض کر دے۔"

اگر اس جنگ عظیم کا نتیجہ یہی ہے کہ دو سو سال کا غلام ہندوستان دنیا میں پھر ایک مرتبہ زیر سرپرستی تاج برطانیہ آزادی کی سانس لے تو اُس کا دوسرا لازمی نتیجہ یقیناً یہ ہونا چاہیئے کہ حیدرآباد نے جتنے اقتدارات، ذمہ داریاں، اور جتنے

علاقہ جات مقبوضات تاریخ کے مختلف ادوار میں اپنے حلیف کے تفویض کئے تھے وہ سب بلا کسی شرط کے اس کو واپس کر دیئے جائیں۔ اس کے دوسرے الفاظ میں یہ معنی ہونگے کہ ایک طرف حیدرآباد کے جغرافیائی حدود میں برار، شمالی سرکار اور مچھلی پٹن داخل ہوں گے، اور دوسری طرف حیدرآباد ایک آزاد اسلامی سلطنت کی حیثیت سے آزاد ہندوستان اور دنیا کے دوسرے آزاد ممالک سے اپنے سیاسی تعلقات قائم کرنے کا مجاز ہوگا۔ داخلی امور کے سلسلے میں ہم کو کامل اطمینان ہے کہ ہماری آزادی میں کوئی مداخلت نہیں ہوسکتی۔ اگر صدارت عظمیٰ یا وزرائے کونسل کے عزل و نصب میں ہماری کامل آزادی کا دامن کسی مشورت یا مداخلت سے الجھ رہا ہو تو ہم اس کو برداشت نہیں کرسکتے۔ صدر مجلس اتحاد المسلمین حیدرآباد کی داخلی آزادی کے بارے میں بالکلیہ مطمئن ہونا چاہتی ہے۔

حیدرآباد کی آزاد مملکت کے درجے کے حصول کا مسئلہ جس قدر اہم ہے یہ ہم جانتے ہیں کہ اس کے حصول کے لئے وقت درکار ہے لیکن حیدرآباد کے نظم و نسق، اس کے وزراء کے عزل و نصب اور دیگر داخلی معاملات میں ہم پر جو قیود مشورت اور رضامندی کی صورت میں عائد ہیں اس سے اس وقت حیدرآباد کی عام رعایا، اس قدر مضطرب اور بے چین ہے کہ اس کا اظہار میں آج کے اس اہم موقع پر ضروری سمجھتا ہوں۔ ابتداءً یہ مسئلہ اعلیٰ حضرت غفران مکان کی طفولیت کی وجہ سے نواب سالار جنگ اول کے زمانۂ رکینسی میں پیدا ہوا تھا لیکن بعد ازاں اس کو ایک مسلمہ آمد کا درجہ دیا گیا۔ اعلیحضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہ کے سریر آرائے سلطنت ہونے پر اس اختیار اصلی کو حضرت اقدس و اعلیٰ نے بڑی حد تک آزادی کے ساتھ استعمال فرمایا لیکن بعض مآل نااندیش وزراء

اور عمالِ سلطنت کے طرزِ عمل کی بناء پر اور زیادہ تر اس غلط اور جھوٹے دعاوی کو مبنیا و بنا کر جو معاندینِ حیدرآباد کی جانب سے کیا جاتا رہا وزراء کے عزل و نصب پر صرف پانچ سال کے لئے مشورہ کی قید عائد کی گئی لیکن یہ پانچ سال منقضی ہوئے بھی آج تقریباً نو (۹) سال ہوتے ہیں اور ہم کوئی وجہ نہیں پاتے کہ ہماری اس فطری اور قانونی آزادی پر قیود عائد کئے جائیں۔ تخت و تاج آصفیہ اور رعایائے آصفیہ نے ہمیشہ سلطنت برطانیہ کا ساتھ دیا اور میں آج تمام رعایا کی جانب سے یہ آواز بلند کر سکتا ہوں کہ حدودِ مملکت کے اندر حضرت جہاں پناہ کی ذات اور ان کے وزراء اور عمال آج بھی اس کو اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ یہ قیود بدستور باقی رہیں۔ میں ملک کی اور بالخصوص مسلم جماعت کی ترجمانی کر رہا ہوں اور یہ عظیم الشان اجتماع میرا ہمنوا ہے کہ حکومت برطانیہ کو مزید وقت ضائع کئے بغیر ان امور پر غور مکرر کرنا چاہیئے اور اپنے ایسے حلیف کے ہاتھوں کو آزاد چھوڑنا چاہیئے جس نے ابتدائے قیامِ حکومت برطانیہ سے آج تک اپنے حلیف کے ساتھ اچھے برتاؤ کو اپنا شعار بنا رکھا ہو۔

اعلیحضرت ہز مجسٹی ہیں

اس سلسلے میں چند امور کی طرف اشارہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ بہی خواہانِ سلطنت آصفیہ نے خصوصاً اور ہندوستان کے سارے مسلمانوں نے عموماً برسوں سے اس تمنا کو اپنے سینوں میں پرورش کیا ہے کہ وہ اعلیحضرت بندگانِ عالی کے اسم گرامی کے ساتھ ہز مجسٹی یا جلالۃ الملک کے الفاظ استعمال کریں۔ اس کے لئے جس کسی نے کوئی آواز بلند کی تو اس نے اپنے نزدیک غلط طور پر تصور کر لیا کہ اعلیحضرت کی ذات گرامی اپنے القاب و خطابات کے لئے کسی کی اجازت و عطا کی پابند ہے میں جہاں تک حیدرآباد کی تاریخ اور اس کے معاہدات پر نظر ڈالتا ہوں اعلیحضرت کو

اس لقب کے اختیار کرنے میں کسی کی اجازت و رضامندی کا پابند نہیں پاتا اور کوئی وجہ نہیں سمجھتا کہ مسلمانانِ دکن بلکہ مسلمانانِ ہند آج ہی سے اعلیٰحضرت کو ہز مجسٹی یا جلالۃ الملک کے لقب سے کیوں نہ یاد کریں بعض مستند روایات کے مطابق آصفجاہ رابع نے اس وقت جب کہ اکبر و عالمگیر کے نسلی و نسبی جانشین تخت دہلی کو زینت دے رہے تھے اپنے اعلانِ خودمختاری کے باوجود ہز مجسٹی کا لقب اختیار کرنے کو شان وفاداری کے خلاف تصور کیا تھا لیکن آج سارے ہندوستان میں اگر کوئی ہستی لفظاً و معنوں کی پوری طرح صحت کے ساتھ شہنشاہانِ مغلیہ کی جانشین اور ہندوستان میں ہز مجسٹی کے لقب کی مستحق ہو سکتی ہے تو وہ آصفجاہی سلاطین ہی کی ذات ہو سکتی ہے۔ ڈیڑھ لاکھ مربع میل حکومت کا استحقاق رکھنے والا اور (۲) کروڑ نفوسِ انسانی کی بادشاہت کا حقدار کسی شپرہ چشم اور کوتاہ بین کی نگاہوں ہی میں ہز مجسٹی یا جلالۃ الملک سے کچھ کم ہو سکتا ہو تو ہو لیکن میرے نزدیک اس کو اس سے کچھ کم تصور کرنا آفتاب کو مشتری سمجھنے کے برابر ہے۔ لہٰذا میں مسلمانانِ ہند سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ آج سے اعلیٰحضرت بندگانعالی کو ہز مجسٹی یا جلالۃ الملک کے لقب سے یاد کیا کریں۔ مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے جب میں اپنی حکومت کے ذمہ دار افراد کو حیدرآباد کیلئے ریاست کا لفظ استعمال کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ میں حکومت کو یقین دلاتا ہوں کہ حیدرآباد کا ہر ایک مسلمان حیدرآباد کی عظمت و وقار کو اب پوری شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگا ہے وہ حیدرآباد کو صحیح معنوں میں ایک خودمختار، ہر قسم کی مداخلتوں سے پاک اور آزاد بادشاہت و سلطنت دیکھنا چاہتا ہے جو اپنے دوستوں کا آڑے وقت میں ہاتھ بٹا رہی ہو اور دستگیری کر رہی ہو۔ یہ امر مسلمانانِ حیدرآباد کی طمانیت اور تسکین کا باعث ہوا کہ وفاق کا مسئلہ جنگ کے دھوئیں میں گم ہو گیا۔ حیدرآبادی مسلمانوں کو یقین ہے کہ ہندوستان کا

جو بھی دستور آئندہ مرتب ہوگا اس میں حیدرآباد اپنی تاریخی حیثیت اور معاہداتی مرتبے کے لحاظ سے اسی طرح آزادانہ اور خود مختارانہ حصہ لیگا جو اس کی انفرادی حیثیت کو اپنی پوری خصوصیات کے ساتھ برقرار رکھے۔

جمہوریت کی حقیقت اور اسلامی نقطۂ نظر

ربع مسکون میں شاید ہی کوئی براعظم ایشیا سے اور ایشیا میں شاید ہی کوئی ملک ہندوستان سے زیادہ بادشاہ پرست رہا ہو۔ دوسری جگہ تاریخ قدیم میں بادشاہوں کی حیثیت قائد یا زعیم ملت کی رہی ہے لیکن ہندوستان نے ہمیشہ ان کو خدائی عظمت و جلال کا مظہر سمجھا اور اکثر صورتوں میں اپنے بادشاہ کی پرستش کی مسلمان جب سے ہندوستان میں آئے اور ان کا عقیدۂ توحید یہاں متعارف ہوا بادشاہ اگر خدائی کے مرتبے سے اتر بھی تو ظل اللہ ضرور رہے۔ آج بھی ایک راسخ العقیدہ ہندو کے نزدیک بادشاہ کو دیکھ لینا عبادت ہے۔ اسی عقیدے نے شہنشاہان مغلیہ کو جھروکے میں برآمد ہونے اور درشن دینے کا عادی بنا دیا تھا موجودہ زمانے میں جبکہ کانگرس کے جلیل القدر لیڈر بھی اپنی مذہبیت اور تعلیمات وید کی پابندی کے دعویدار ہیں اگر جمہوریت کا اصول ہندوستان میں زیادہ مقبول ہوتا جا رہا ہے تو اس کی وجہ میرے خیال میں قطعاً اس اصول کی خوبی یا اس کا صحیح طریقہ حکومت ہونا نہیں ہے میں نے جہانتک غور کیا اپنے مذہب پرست ہندو بھائیوں کو محض دو وجہ سے جمہوریت کا پرستار دیکھتا ہوں ایک تو یہ کہ انھوں نے اپنے مالکوں اور آقاؤں کو جمہوریت کی سرپرستی کرتا ہوا دیکھا اور محسوس کیا کہ ان کی ذہنیت کو اگر کسی طرح متاثر کیا جا سکتا ہے تو جمہوریت کے نام ہی سے کیا جا سکتا ہے! اور یوں بھی خود انگریزوں نے اپنے پروردگان آغوش کو غلطی سے یا صحیح طور پر جو درس سیاست دیا تھا

وہ جمہوریت ہی کا تھا۔ دوسرے اس وجہ سے برادرانِ وطن مائل بہ جمہوریت ہیں کہ
وہ ہندوستان کے ماحول میں اس کو اپنے اقتدار اور مسلمانوں سے اپنے انتقام
کا بہترین آلہ تصور کرتے ہیں مسلم سلاطینِ سابق کے اس گناہِ عظیم کی وجہ سے کہ انہوں
نے قوانینِ الٰہیہ کے اجراء و اشاعت اور دینِ الٰہی کی نشر و تبلیغ سے زیادہ اپنے
اقتدار و حکومت کو پیشِ نظر رکھا اور ہندوستان میں خدا کے نام کو اس طرح
سربلند نہیں کیا جس طرح عرب فاتحانِ ایران و افغانستان و مصر و شام نے
کیا تھا۔ آج ہم بلادِ اسلامیہ کے بالمقابل ہندوستان میں نور سے زیادہ تاریکی
کو چھایا ہوا دیکھ رہے ہیں جمہوریت سروں کے گننے کا نام ہے اور ہندوستان میں
آسانی کے ساتھ مسلمانوں کو ایک اقلیت کہہ کر جمہوریت کے نام پر ان کے حقوق کو
پامال کیا جا سکتا ہے۔ یہی صرف یہی وجوہ ہیں جن کی بنا پر ہم آج بادشاہ پرست
ہندو کو مائل بہ جمہوریت دیکھ رہے ہیں مجھ پر اور مجلس اتحاد المسلمین پر یا آج کل
مسلم لیگ پر بھی جس نے مجلس اتحاد المسلمین کے برسوں بعد اس حقیقت کو پہچانا
کہ جمہوریت ہندوستان کے لئے موزوں طریقہ حکومت نہیں ہے یہ الزام
دیا جاتا ہے کہ ہم جمہوریت کے مخالف ہیں۔ میں نے بارہا کہا ہے اور ایک مرتبہ
پھر اس ذمہ دار پلیٹ فارم سے اعلان کرتا ہوں کہ مسلمان فطرتاً حریتِ آزادیٔ
رائے اور جمہوری تخیل کا طرفدار پیدا ہوا ہے گو اسلامی جمہوریت اور موجودہ اصطلاحی
جمہوریت میں مشرقین کا بُعد ہے لیکن جمہوریت مسلمان کی خمیر میں داخل ہے
میں کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ اگر میں ایران، افغانستان اور مصر میں ہوتا
تو میرا نعرہ سیاست جمہوریت کے سوا کچھ اور نہ ہوتا لیکن مجلس اتحاد المسلمین نے
بجا طور پر آج سے کئی سال پہلے کہا اور مسلم لیگ آج کہہ رہی ہے کہ ہندوستان
ایک ایسی فضا، ایک ایسے ماحول اور چند ایسی حقیقتوں کا سرمایہ دار ہے جنکے تو

اس ملک میں جمہوریت صحیح طریق حکومت کا معیار ثابت نہیں ہو سکتی۔

دنیا میں صرف وہی قومیت جمہوریت کے لئے سازگار ہو سکتی ہے جو مشترک نسل اور تمدن کی بنیاد پر تشکیل پائے۔ اور اس کے افراد میں معاشرتی اور مذہبی مقاصد کے علاوہ معاشی اور سیاسی مفادات کے لحاظ سے بھی کامل ہم آہنگی اور یگانگت پائی جائے۔ اس قسم کی مستحکم فطری اور متحدہ قومیت میں اکثریت اور اقلیت کا سوال صرف سیاسی نقاط نظر کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے اور اصولاً وہی جماعت برسر اقتدار آتی ہے جس کو ایک خاص سیاسی عقیدہ اور معاشی پروگرام کے اعتبار سے تعدادی اکثریت حاصل ہو جائے اور اسکے مقابلے میں دوسری جماعتوں کو اقلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس بنیاد پر قایم شدہ اکثریت و اقلیت اپنے سیاسی اور معاشی پروگرام کی رو سے تغیر پذیر ہوا کرتی ہے جو جمہوریت کے اساسی اصول کے عین مطابق ہے۔ مثلاً انگلستان میں عام طور پر نسلی، لسانی، تمدنی، مذہبی اور ثقافتی حیثیت سے متحدہ قومیت کا وجود تو پایا جاتا ہے لیکن سیاسی نقاطِ نظر کے اختلاف نے اس متحدہ قوم کو عمال (لیبر) اعتدالی (لبرل) اور قدامت پرست (کنزرویٹو) تین جماعتوں میں منقسم کر دیا ہے ان میں سے وہی جماعت برسر اقتدار آجاتی ہے جو رائے دہندگان کی تائید کے لحاظ سے کثیر التعداد ہوتی ہے۔ تعداد کی کمی و بیشی اور کثرت و قلت سے اقتدار بھی ان جماعتوں میں تبدیل ہوتا رہتا ہے جو عموماً سیاسی اور معاشی نظام کی ترتیب پر منحصر ہوتا ہے اسیطرح اقلیت و اکثریت کی تغیر پذیری نے نہ صرف انگلستان بلکہ یورپ کے بعض دیگر ممالک میں بھی جمہوریت کو کامیاب شکل دے رکھی ہے لیکن ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مجموعۂ اقوام آباد ہو، تو اس اصولِ جمہوریت

کا انطباق ہو سکتا ہے اور نہ اکثریت و اقلیت کی اُن خاص اصطلاحوں کو ہندو برادری کے نقطۂ نظر سے صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں اپنی انفرادی حیثیت رکھنے والی چھوٹی بڑی قوموں کے افراد کو شمار کر کے اکثریت و اقلیت کے حدود قائم کئے جا رہے ہیں۔ مذہبی اور نسلی تفریق کی بناء پر ہندوؤں کے مقابلے میں دوسری تمام قومیں دوامی اقلیتیں ہیں یعنی اُن کو کبھی اکثریت میں تبدیل ہونے کا موقعہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں غلط تعبیر کردہ طریق حکومت سے اقلیت ہمیشہ فرقہ وارانہ اکثریت کی دائمی غلامی کے باعث استبداد اور دستبرد کا شکار بنی رہے گی۔ اِس قسم کی حکومت کسی معنے میں جمہوریت سے تعبیر نہیں کی جا سکتی۔ یہ محض نظریات نہیں بلکہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ڈھائی سال سے ہندوستان میں گیارہ غیر حقیقی جمہوریتیں کام کر رہی ہیں لیکن ہر صوبے میں اقلیتیں اکثریت کی حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہی ہیں۔ اچھوت الگ شور مچا رہے ہیں مسلمان الگ چیخ رہے ہیں مسلم صوبہ جات میں خود ہندو غلط ہو کر صحیح اتلافِ حقوق کی شکایات بیان کر رہے ہیں۔ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۳۹ء کے ٹائمز آف انڈیا میں سوباش چندر بوس سابق صدر کانگریس کا ایک بیان شائع ہوا ہے جس میں وہ کانگریس پر وزیر اعظم بنگال کے عاید کردہ الزامات کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مسٹر فضل حق وزیر اعظم بنگال تمام کانگریسی وزارتوں پر جتنے الزامات مسلمانوں کی طرف سے لگا سکتے ہیں ان سے زیادہ بنگال کے ہندوؤں کو حق وزارت سے شکایت ہے"۔ یہ بیان صحیح ہو یا نہ ہو مگر اتنا تو بہر حال ظاہر ہے کہ بنگال کی مسلم اکثریت نے ہندو اقلیت کو مطمئن نہیں کیا۔ اور یہی صورتِ حال دوسرے صوبوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ اگر ہمارے

ہندو بھائی اسی پیش پا افتادہ حقیقت پر غور کریں تو صاف دیکھ لیں گے کہ ہندوستان پر مغربی اصول کے مطابق جمہوریت کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا۔

میں نے جس اسلامی جمہوریت کا ذکر اوپر کیا اس کا یہ پہلو ان معترضین کے سامنے واضح نہیں ہے جس کی بنا پر وہ آج مجلس اتحاد المسلمین یا مسلم لیگ کو اعتراضات کا ہدف بنا رہے ہیں۔ اسلام میں سیاسی جمہوریت یا خلافت اس کی معاشرتی جمہوریت پر مبنی ہے۔ وہ اس سوسائٹی میں جمہوریت قائم کرتا ہے، جس کے افراد میں اسلامی اخوت، مساوات اور آزادی پائی جاتی ہے یعنی جمہوریت صرف اس قوم میں ہو سکتی ہے جس کے افراد میں ایک رابطۂ دماغی موجود ہو جو مغربی ممالک میں بھی جمہوریت کی ایک لازمی شرط اور بنیادی مفروضہ ہے۔ اسلامی تمدن کے مختلف پہلو آپس میں مربوط اور مشروط ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرے کا نفاذ ممکن نہیں۔ اسی لئے ہندوستان میں مسلمانوں کی جمہوریت کے خلاف متحدہ آواز حق بجانب ہے۔

(اقتباس از خطبۂ صدارت جلسۂ سالانہ صدر مجلس اتحاد المسلمین بابت)

{ ذی حجہ ۱۳۵۵ھ ہجری
ص ۲ تا ۱۲ }

حیدر آباد سے بھی مراعات خصوصی کے خاتمے کی ضرورت

(از مولوی محمد یحییٰ صاحب)

غیر ممالک میں عدالتی اور محاصلی مراعات خصوصی کا رواج بڑے قدیم زمانے سے ملتا ہے۔ چنانچہ چھٹی صدی قبل مسیح میں فرعون آماسیس نے مصر میں یونانی تاجروں کی بستی کو جو دریائے نیل کے دہانے کے دوآبے میں بستے تھے یہ حق عطا کیا تھا کہ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ یونانی حاکموں سے یونانی قانون کے مطابق کرائیں۔

مسلمان عربوں کو بھی یہ حقوق تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں چین، ترکستان، ہندوستان (ملیبار) وغیرہ میں حاصل تھے اور تاریخ بینی اس سے پوری طرح واقف ہیں۔ (ہجرت حبشہ کا بھی اس سلسلے میں ذکر کیا جاسکتا ہے جو عہد نبوی میں ہوئی تھی)

اسلامی ممالک میں ابتداً اس طرح کے حقوق فرنگی تاجروں اور سیاحوں کو بطور رعایت دئے گئے تھے۔ جن کا آغاز سلطان محمد فاتح کی فتح قسطنطنیہ سے ہوتا ہے۔ اور جلدی ہی یہ حقوق جملہ ترکی مقبوضات (اناطولیہ، عراق، شام، مصر، استنبول وغیرہ) میں جملہ یورپی اقوام کی رعایا کو حاصل ہو گئے۔ بعد میں مشرق کی کمزوری سے یہ حقوق چین و جاپان، سیام، دانام، حبشہ، بحرین، مسقط و مراکش اور زنجبار وغیرہ میں حاصل کرئے گئے تھے۔ اگرانہ

مغرب اپنے حدود کے اندر رہتے تو شاید ان کے خلاف کوئی شکایت نہیں پیدا ہوتی لیکن یورپ کے ساتھ عموماً مشرقیوں کو "نیکی برباد گناہ لازم" سے سابقہ پڑتا رہا ہے۔

شاباش ہے جاپان کو کہ اس نے سب سے پہلے اس سے ۱۸۹۹ء میں گلو خلاصی کرائی ترکوں نے (جو سب سے زیادہ اس سے نقصان اٹھاتے رہے) بڑی لڑائی کے زمانے میں اس کی منسوخی کا اعلان کیا جسے ۱۹۲۳ء کے معاہدہ لوزان میں متعلقہ فرنگی ممالک نے بھی آخر مان لیا تھا۔ ۱۹۲۸ء میں ایران کو بھی آزادی مل گئی حبشہ میں باوجود عیسائی ریاست ہونے کے حقوق یورپیوں کو حاصل تھے لیکن اب اطالوی قبضے کے بعد وہ خود بخود ختم ہو گئے ہیں۔

۲۷ جولائی ۱۹۳۶ء کے لندن ٹائمز میں اعتراف کیا گیا ہے کہ مصر اور مراکش کے تصفیے کیلئے جب انگریزوں اور فرانسیسیوں میں رقابت کو ترقی میں مانع ہو رہی تھی تو ۱۹۰۴ء میں ایک خفیہ معاہدہ ہوا تھا کہ اگر انگلستان مصر سے مراعاتِ خصوصی کو ختم کرانا چاہے تو فرانس بھی مراکش سے ان کو ختم کرانے کے مطالبے میں حق بجانب ہوگا۔ چونکہ مصر میں فرنگیوں کو جو مراعات خصوصی حاصل تھے ان سے زیادہ تر یونانی اور اطالوی اشخاص ہی فائدہ اٹھاتے تھے اور انگریزوں کو اس سے کچھ خاص نفع نہ تھا اس لئے حال میں مونٹریو کانفرنس میں انگریزی سفارش پر ان بارہ سلطنتوں نے جن کو وہاں مراعات حاصل تھے ان مراعات کی تنسیخ کو منظور کر لیا ہے اور طے ہوا ہے کہ اب سے بارہ سال بعد ۱۹۴۹ء سے ان کا نفاذ ہو۔ اس معاہدے کے بعد ہی مراکش کے متعلق بھی انگریز اپنے حقوق سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گئے ہیں اور یہ معاہدہ یکم جنوری ۱۹۳۸ء سے نافذ ہو جائے گا۔

لندن ٹائمز راوی ہے کہ زنجبار سے بھی فرانسیسی مراعات ختم ہو رہے ہیں۔

ہمارے حیدرآباد میں بھی یہ فرسودہ اور از کار رفتہ رواج ابتک باقی ہے چنانچہ ضابطۂ فوجداری میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی یوروپی یا امریکی حیدرآباد میں کوئی جرم کرے تو اسکے مقدمے کی تجویز معمولی طور سے نہ ہو۔ ایسے مقدمات کوئی انگریز ملازم سرکاری کے سامنے پیش ہوتے ہیں اور اس کا مقدمہ برطانوی ہند کے ضابطے کے مطابق ہوتا ہے۔

اگر ہم اپنے آپکو حقیر اور ذلیل سمجھنے کی ذہنیت چھوڑ دیں تو ہم بھی بیرونی نامور و مستند اشخاص کے بیانات کی صحت کو سمجھنے لگیں گے کہ حیدرآباد کا عدلیہ برطانوی ہند سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ ہمارے پاس وہ فرسودہ قاعدہ نہیں ہے کہ برطانوی ہند کی طرح مالگزاری کے عہدہ داروں کو عدالتی اختیارات دئے جائیں۔ ہمارے حکام عدالت کا معیار بہت سی باتوں میں اور مقامات سے بہت بلند ہے اور حیدرآبادی حکام کے عدل و انصاف پر دشمنوں کو بھی اعتماد ہے۔

ایسی حالت میں ضرورت ہے کہ حیدرآباد سے بھی مراعات خصوصی کے اس بے ہنگام رواج کا خاتمہ کیا جائے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم ان حقوق سے مستفید نہ ہوں جس سے دنیا میں آج کسی کو اختلاف نہیں رہا۔ یقیناً زنجبار اور مراکش کے مقابل ہمارا عدلیہ زیادہ ترقی یافتہ ہے۔

امید ہے کہ ہماری بیدار مغز باب حکومت بھی اس پر توجہ کرے گی اور ہز اکسلنسی صدر اعظم جدید کے دور کی یادگار حیدرآبادیوں کو ہمیشہ یاد رہے گی۔

{ رہبر دکن، ۷، ۱ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ
ص ۱، ۳ }

ممالک محروسہ سرکار عالی میں انگریزی ڈاک خانے حکومت برطانیہ کیلئے ایک تجویز

(از ۔ م ۔ ح)

انگریزی چھاونیوں اور ریزیڈنسی کے قیام کی وجہ ابتداءً چند برطانوی ڈاک خانے سرکار عالی کی قلمرو میں قائم ہو گئے تھے اور چونکہ سرکار عالی کو اپنے حلیف کی دوستداری ہمیشہ مدنظر رہی ہے' اس لئے اس نے اس پر کوئی اعتراض نہ فرمایا۔

بتدریج ان انگریزی ڈاکخانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے بعد مختار الملک سالار جنگ اول کے زمانے میں حیدر آباد میں جہاں بعض اور نئے محکمے قائم ہوئے میں سررشتہ ٹپہ (ڈاک) کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے لئے ڈاک کے ٹکٹ تیار ہوئے اور ملک کے اہم شہروں میں ڈاک خانے قائم ہوئے اور ان میں تیزی سے اضافہ اور ترقی ہوتی گئی۔

برطانوی ہند سے کاروبار میں ترقی نے اس بات کی ضرورت پیدا کی کہ کسی نہ کسی قسم کا اتحادِ ڈاک عمل میں آئے۔ اس غرض سے حیدر آبادی اور برطانوی حکومتوں میں جو معاہدات ہوئے اُن کی رُو سے یہ طے ہوا کہ حیدرآباد کی سرکاری ڈاک برطانوی ہند میں' اسی طرح جائے جس طرح کسی خودمختار ملک کی خانگی ڈاک کے متعلق بھی بالکل مساوات کے ساتھ معاہدہ ہوا مگر یہ عجیب قاعدہ منظور کیا گیا کہ حیدر آباد کی ٹکٹ لگا کر برٹش انڈیا کو خط بھیجا جائے تو مرسل الیہ سے مزید محصول وصول کیا جائے گا۔ اور برطانوی ہند سے آئے ہوئے

خطوط پر حیدرآبادی ڈاکخانہ بوقت تقسیم اپنا محصول بھی وصول کرسکے گا یعنی حیدرآباد اور برطانوی ہند میں آنے جانے والے خطوط پر دونوں حکومتیں اپنا اپنا محصول وصول کرسکیں گی۔ اس دوہرے محصول سے عوام کو تکلیف ہونے لگی۔

البتہ سمندر پار سے آنے والی ڈاک کے متعلق عام انٹرنیشنل قاعدے کے باعث بطیب خاطر سرکار عالی نے گوارا فرمالیا کہ اس کو برطانوی ہند سے آنے والی ڈاک کے برخلاف سرکار عالی کے اپنے ڈاک خانے مفت بلاکسی مزید محصول کے وصول کرنے کے تقسیم کریں گے۔ اس کا کوئی بدل اور معاوضہ حیدرآباد کو نہیں ملا۔ (اور بظاہر اتفاقاً معاہدہ حیدرآبادی ڈاک کے ٹکٹ بیرون ہند خطوط کے لئے قبول کئے جائیں گے) غرض عملاً اس طرح سرکار عالی نے سمندر پار سے آنیوالی ڈاک کے متعلق رعایت منظور فرمائی اور اندرون ہند مساوی حقوق کے ساتھ تبادلہ منظور فرمایا۔

انگریزی ڈاکخانوں نے اپنا دائرۂ عمل رفتہ رفتہ بڑھانا شروع کیا اور وہ مقامی خطوط و کتابت بھی قبول کرنے لگے۔ ظاہر ہے کہ اس کی آمدنی حکومت حیدرآباد کو نہیں ملتی، حکومت ہند لیتی ہے۔ اس سے حیدرآبادی سررشتہ ڈاک کو بیجا نقصان پہنچنے لگا کیونکہ اندرون ملک ڈاک رسانی کا حق فقط وہیں کی حکومت کو ہوسکتا ہے۔

انگریزی سررشتہ ڈاک اپنے دائرۂ عمل کی توسیع کے لئے پچیس سال قبل حجت پیش کرتا تھا کہ سرکار عالی کے سررشتۂ ڈاک کا کاروبار محدود ہے (اس وقت منی آرڈر وی پی، بیمہ، سیونگ بنک وغیرہ سرکار عالی کے سررشتۂ ڈاک میں جاری نہ تھے) اور برطانوی علاقہ سے کاروبار میں اس سے سہولت نہیں ملتی اور اسی حجت کی بناء پر سرکار عالی نے مجبوراً اس بات میں تامل فرمایا تھا کہ اپنے حلیف کی

خواہش توسیع عمل میں اعتراض کرے ۔

اسی اثناء میں بعض لوگوں کے خیالات کی وجہ سے سرکار عالی کے محکمۂ سررشتۂ ڈاک کو برٹش ڈاک میں ضم کر دینے کا بھی مسئلہ چھڑا۔ سرکار عالی کی حکومت اور تاجدار دونوں نے سختی کے ساتھ اس انضمام کو ناپسند کیا اور اس کے ساتھ سرکار عالی نے اپنی ڈاک کی اصلاح کے لئے برطانوی عہدہ داران ڈاک کے خدمات کو مستعار لیکر اسے برطانوی ڈاک کے مماثل کر دیا۔

باوجودیکہ برطانوی ڈاکخانے قلمرو آصفی میں زیادہ کئے گئے لیکن چونکہ سرکار عالی کی ڈاک بھی بحال خود برقرار تھی اور اس میں روز بروز ترقی ہو رہی تھی اور معاہدۂ تبادلۂ ڈاک کے اصول کے باعث دونوں علاقوں کی رعایا کو تکلیف تھی اسلئے چند سال قبل ایک برطانوی پوسٹ ماسٹر نے اپنی حکومت کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ حیدرآباد اور برطانوی ہند میں بجائے محصول مزید کے عدم قیام کے یہ زیادہ منصفانہ سہولت بخش اور قرین صواب ہوگا کہ حیدرآباد کی ڈاک برٹش انڈیا اور وہاں کی ڈاک حیدرآباد کے ڈاکخانے بلا محصول مزید تقسیم کرنے لگیں یعنی دونوں سلطنتوں میں اصول مساوات تو قائم رہے لیکن طریقہ عمل میں تبدیلی ہو ۔ ہر علاقہ اپنا اپنا محصول ڈاک جداگانہ وصول کرنے کے بجائے ایک ہی علاقہ اپنے ڈاک خانوں میں ڈالے ہوئے اشیاء کا محصول لے اور دوسرا علاقہ ان کو مرسل الیہ سے مزید محصول لئے بغیر تقسیم کرا دے جس طرح پوسٹل یونین میں شریک سلطنتیں کرتی ہیں ۔ یہ تحریک رزیڈنسی سے سرکاری طور پر وصول ہوئی تھی ...... اور سرکار عالی نے ایسی تحریک کے علم کیساتھ بھی بطور خود اپنی حد تک یہ عمل جاری کر دیا کہ برٹش انڈیا سے آنے والے تمام اشیائے ڈاک بلا محصول مزید سرکار عالی کے ڈاکخانوں کے ذریعے سے اپنی قلمرو

میں تقسیم کرادے۔ مگر برطانوی ڈاک خانے نے یہ عمل اختیار نہیں کیا۔ سرکارعالی نے مزید یہ رعایت بھی منظور فرمائی کہ برٹش انڈیا کو روانہ ہونے والی اشیا، صرف برطانوی ٹکٹ لگا کر سرکار عالی کے ڈاک خانے میں ڈالی جائیں تو بھی وہ بلا اخذِ محصول مزید برٹش انڈیا کو روانہ کردی جائیں گی۔

ہمارے محکمۂ ڈاک کی سالانہ رپورٹوں سے واضح ہے کہ حقوقِ معاہدہ سے اس دست برداری کی وجہ سے اسے سالانہ ایک لاکھ روپے سے زیادہ کا نقصان ہو رہا ہے۔

ضرورت ہے کہ ہماری حکومت جلد سے جلد برطانوی ہند کی حکومت سے اس تجویز کے جزوِ دوم کو جامۂ عمل پہنانے کی خواہش کرے جو خود اسی نے ہمارے سامنے پیش کی اور جس کے بلحاظِ حقوقِ معاہدہ ہم پورے مستحق ہیں۔

اس عمل کی وجہ سے علیحدہ انگریزی ڈاک خانوں کی بھی چنداں ضرورت نہ رہے گی کیونکہ خود سرکار عالی کے ڈاک خانے کل اشیائے ڈاک تقسیم کردیا کریں گے اور اس طرح انگریزی ڈاکخانے جو اس وقت برطانوی حکومت پر خاصہ مالی بار ڈال رہے ہیں غیر ضروری ہو جائیں گے۔

بہرحال سرکار عالی کے سررشتۂ ڈاک کو اپنے نقصان کی کمی کیلئے اس تحریک کو پیش کرنا چاہیئے کہ معاہدۂ سرکارین بابت ڈاکخانجات کے اصول مساوات کو ملحوظ رکھتے ہوئے سرکار عالی کو دو طرفہ بار برداشت کرنے سے محفوظ ہونے دیا جائے (ایک سالہ نوٹس پر اس معاہدے کو منسوخ کرنے کا معاہداتی حق نظرثانی پر آمادہ کرنے کو آسان بنا چکا ہے)۔

(رہبر دکن ۲۵ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۰ھ)

حیدرآباد وطنی انتظام کا نمونہ

(از ولیم ڈگبی)

مسٹر ولیم ڈگبی سی آئی ای نے عرصہ ہوا ایک کتاب شائع کی تھی۔ اس کا نام "انڈیا فار دی انڈینس اینڈ فار انگلینڈ" ہے۔ افسوس ہے یہ کتاب اب تک گوشۂ گمنامی میں پڑی رہی ورنہ وہ اس قابل ہے کہ نہ صرف اردو میں ترجمہ کیجائے بلکہ زائد مطالعے کے لئے مدرسوں میں شریک نصاب کی جائے۔ اس کے دیباچے میں بتایا گیا ہے کہ انگلستان کے عوام ہندوستان کے متعلق لاعلمیوں بلکہ غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ ہندوستان میں وہی حکومت کامیاب ہو سکتی ہے جو اپنے آپ کو عامہ رعایا سے الگ تھلگ نہ رکھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں گورے افسروں کی حکومت بہت بڑی حد تک ناکامیوں کا مرقع ہے تو دیسی ریاستیں تاج کامرانی سے سرفراز۔ مسٹر ڈگبی نے لکھا ہے:۔

"میں دعویٰ کرتا ہوں کہ میرے جمع کردہ حقائق سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہندوستان میں ہندوستانی ارباب نظم و نسق نہ صرف انگریزوں کے برابر بلکہ فی الحقیقت ان سے بہتر کام کرتے ہیں"۔

کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلے میں ہندوستانی صلاحیت کار کو سلبی طریقے سے یعنی انگلو انڈینوں کی ناکامی دکھانے سے ثابت کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں ایجابی طریقے سے ایک دیسی ریاست میں دیسی افسروں کے

انتظام کی کامیابی کو بتا کر دعوے کا ثبوت دیا گیا ہے مضمون ذیل اسی حصے کا خلاصہ ہے تیسرے میں چند اصلاحی تجاویز ہیں ۔

یہ کتاب غالباً کتب خانۂ آصفیہ میں بھی ہے ۔ (مدیر)

ایک ہندوستانی ریاست کا

تیس سالہ نظم و نسق

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

دروغ کو فروغ نہیں

گزشتہ حصے میں اس قسم کی منتشر شہادت فراہم کی گئی کہ وہ دیسی حکمرانی جس پر انگریزی برتری کا محافظانہ اثر پڑے اور جو برطانوی نظم و نسق کے موزوں طریقے اخذ کرے، خالص گورے نظم و نسق سے بہتر ہے۔ یہ شہادت کچھ تو ایجابی بھی اور کچھ سلب نقیض بھی پیش کیا گیا تردیدی اغراض کے لئے یہ کافی ہے۔ مگر وہ کوئی ایسی کافی بنیاد نہیں فراہم کرتی جس پر کسی استدلالی عمارت کی تعمیر ہو۔ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دعوے کے ثبوت میں کوئی ایسی چیز پیش کی جائے جو کسی ہندوستانی ریاست میں حاصل ہوئی ہو۔ ایک ہندوستانی ریاست میں تیس سال کی قلیل مدت میں جو کچھ پیش آیا، ممکنہ حد تک اس کے تمام خد و خال نمایاں کئے جاتے ہیں۔

سب سے بڑی ہندوستانی ریاست کو انتخاب کرنے کی کچھ تو وجہ یہ ہے کہ جس تدبر نے وہاں معضلۂ مابعد کامیابیاں حاصل کیں وہ ایک کشش زندگانی سے

خلا بھی پا چکا ہے ۔ اور اس پر اب زیادہ آزادی سے تنقید کیجا سکتی ہے اور کچھ اس لئے
کہ اگر "خود حکومتی" پوری طرح قلمرو کے نظام میں ممکن ہے تو دوسرے مقامات پر بھی وہ
ناممکن نہیں ہندوستان میں کسی جگہ بھی اتنے مشکلات سر کرنے نہیں ہیں جتنے سر سالار جنگ
نے حیدرآباد میں کئے ۔ اور کسی جگہ بھی کوئی وزیر اپنے افسر بالا کے ہاتھوں اپنے دور حکومت
کے خاصے بڑے حصے میں اتنا دق کیا اور ستایا نہیں گیا ہوگا جتنا سالار جنگ کو کلکتے
اور شملے کے محکمہ خارجہ نے ۔ لارڈ لٹن کے دہلی میں کہے ہوئے الفاظ جتنے مکرمت
اندوز تھے ان کے عہد وائسرائی کے بڑے حصے کے اعمال اتنے ہی برعکس ثابت
ہوئے۔ ایسے حالات میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اعلیٰ ترین صفات کی ضرورت تھی

حیدرآباد ۱۸۵۳ء میں

اس فصل میں طاقتور حلیف کی کمزور حلیف سے بدسلوکی،
غیر واقعی قرضے کے بہانے زرخیز ترین صوبے کا الحاق
دہرے اندراجات سے دھوکہ دہی، کثیر امدادی فوج کے
باوجود (بلکہ حقیقت میں اسی کے باعث) فساد اور بدنظمی، مالیے کی بے ساکھی
خزانے کا خالی ہونا، قرضے کا پونے تین کروڑ روپے تک پہنچ جانا وغیرہ کی تفصیل دیکر
بتایا گیا ہے کہ یہ دیسی انتظام کے باعث نہ تھا بلکہ "دیسی ریاستوں کے متعلق ہماری
پالیسی، ہمارا لالچ اور لوٹ، اور ان پر ہمارا اثر و اقتدار ہی اس کے واحد ذمہ دار
ہیں"۔ [1] ایسی حالت کو ایک عاقل اور مضبوط ہاتھ ہی بدل سکتا تھا۔ ایسا شخص
آتا ہے اور حالت پر قابو حاصل کرتا ہے ۔ یہ وہ شخص ہوتا ہے جو اقتدارات کی
باگ تھامنے کے تین ہی برس کے اندر سنہ ۱۸۵۶ء میں بردہ فروشی اور بردہ خریدی
کو تعزیری جرم قرار دیتا ہے حالانکہ امریکہ میں ابھی اسکے لئے تصادم آرا ہی جاری تھا۔

---

[1] نہ معلوم یہ الزام کس حد تک صحیح ہے خود حیدرآبادی وزرا بھی ذمہ دار ہو سکتے ہیں جیسا کہ
مرسوم شاہی بنام وائسرائے متعلق برار میں لکھا ہے (مدیر)

اصلاحات کا احساس، نفاذ اور کامیابی

ملک میں جو برائیاں تھیں ان کا دور کرنا خود ایک بڑی بات تھی مگر اس دیسی مدبر نے بقایا رکی بے باقی، قرضوں کی ادائی، رہنوں کی واگزاشت اور قلیل قرضوں کے لئے گروی رکھے ہوئے اضلاع کی بازیافت کے علاوہ آمدنی کے اضافے کے تدابیر بھی سوچے بچے ضروری خیال کئے۔ انہیں نئے اخراجات بھی ضروری تھے تاکہ دیوانی اور فوجداری عدالتیں ضلعوں اور تعلقوں میں قائم ہوں، مالگزاری کے انتظام کے لئے کثیر المشاہرہ عملے کا ادارہ قائم ہو، دیگر ذرائع آمدنی کا انتظامی عملہ، پیمائش اور دھارے کا انتظام، پولیس اور آبپاشی کے محکموں کی تنظیم، تعلیم کی توسیع، دواخانوں اور شفاخانوں کا افتتاح، صفائی اور ڈاک کا انتظام، خاطر خواہ ہو، وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام اصلاحات ہاتھ میں لئے گئے اور بلا استثناء سب کے سب کامیاب ہوئے چنانچہ مالگزاری کی ترقی کے لئے یہ اعداد کافی واضح ہیں:-

قلمروئے آصفی	برطانوی ہند
آمدنی ۱۸۵۳ء ۸۹۰،۸۵،۴۶ روپے	۱۶،۱۹۰،۰۰۰ پونڈ
" ۱۸۸۰ء ۱،۸۹،۳۰،۸۶۱	" ۲۱،۸۶۰،۰۰۰
اضافہ ۱،۲۵،۴۰،۹۸	اضافہ ۵،۶۵۰،۰۰۰
یعنی ۲۶۰ فی صد (٪) اس کے بعد کے سال تو ۴۸۷،۵ فیصد تک بڑھ گیا۔	یعنی ۲۵٪ سے بھی کم

{قلمروِ آصفی کے اعداد میں طباعت میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے، یہاں بعینہٖ نقل کئے گئے ہیں (مترجم)}

جو سلطنت ایسے نتائج پیدا کرسکتی ہے اور باوجود اتنے اضافے کے وہاں کی رعیت برطانوی ہند کی رعیت سے زیادہ خوشحال رہتی ہے اس کی تعریف محال ہے

مزید براں وصولات کی حد تک حیدرآباد میں ۵۵.۰۹ فی صد اور صوبہ بمبئی میں ۵۲.۰۹ فیصد ہوتا ہے۔ صوبہ بمبئی کی مالگزارانہ پیمائش بھی ہو چکی ہے اگر حیدرآباد میں بھی یہ کام مکمل ہو جائے تو یقیناً سالانہ وصولات ۹۹ فیصد ہو سکتے ہیں۔

اس اضافہ آمدنی کے سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ تلنگانے کے وسیع ذرائع آبپاشی کو اگر کام میں لایا جائے تو مالگزاری میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے۔

اضافہ زراعت کے معلوم کرنے کے لئے قبل سالارجنگی اعداد نہیں ہیں۔ البتہ صرف چند تعلقوں کی حد تک جہاں کی پیمائش عمل میں آئی تھی مواد ملتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چودہ تعلقوں میں ۱۸۵۴ء میں زیر زراعت رقبہ دس لاکھ ایکڑ سے کچھ زیادہ تھا۔ یہ ۱۸۸۱ء میں بائیس لاکھ ایکڑ سے زاید ہو گیا۔ گویا سوا سو فیصدی اضافہ ہوا۔ یہ مرہٹواڑی کا معاملہ ہے۔ تلنگانے میں بھی بٹائی کی جگہ نقد مالگزاری لینے سے حالت بہت سدھر گئی ہے۔

ذیل کا تختہ سبق آموز ہے:-

سال	کسانوں کے زیر تصرف رقبہ	افتادہ رقبہ	کل قابل کاشت رقبہ	قابل کاشت کا فیصد زیر کاشت
۱۸۸۱ء	ایکڑ ۱,۵۰,۸۵,۸۹۳	۵۳,۷۴,۰۳۲	۲,۰۴,۵۹,۹۲۵	۷۳.۷۴
۱۸۸۲ء	۱,۵۱,۴۰,۶۹۵	۵۵,۹۳,۵۵۴	۲,۰۷,۳۴,۳۴۹	۷۳.۰۲

تلنگانے کی آب و ہوا کی ناموافقت کے باعث وہاں آبادی کم ہے یہی وجہ ہے کہ وہاں مرہٹواڑی کی ۹۳،۴۳۱ فی میل آبادی کی جگہ محض ۹۵.۱۹ فی میل ہے۔ جس کا نتیجہ ۱۸۸۲ء میں قابل کاشت کو زیر کاشت کرنے میں مرہٹواڑی کے ۶۳،۳۴۰ کی جگہ ۲۲.۱۵ ہے۔ پھر بھی مقابلتہً:-

مقام	سنہ	فیصد زیر کاشت رقبہ
قلمروئے آصفی	۱۸۷۸ء	۶۶٫۷۰
" "	۱۸۷۹ء	۶۴٫۶۶
" "	۱۸۸۰ء	۶۴٫۵۴
" "	۱۸۸۱ء	۶۴٫۳۰
" "	۱۸۸۲ء	۶۳٫۵۷
بمبئی	۱۸۷۵ و ۷۶ء	۶۴٫۴۱
"	۱۸۷۵ و ۷۶ء	۶۳٫۷۸
صوبہ جات متوسط	۱۸۷۸ و ۷۹ء	۶۶٫۳۲

اِس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ حیدرآباد کی زرعی حالت برٹش انڈیا سے کم نہیں ہے۔ کسانوں کی حالت تو حیدرآباد میں کہیں بہتر ہے۔

آبادی ۱۸۸۱ء سے پہلے کا مواد نہیں ہے پھر بھی تمام امور کو ملحوظ رکھنے کے بعد یہ ماننا پڑتا ہے کہ دس سال میں دس فیصدی آبادی کا اضافہ ہو گیا حالانکہ برطانوی ہند میں آٹھ فیصدی سے بہ مشکل کچھ زائد اضافہ ہوا ہے میسور میں تو آبادی میں اور کمی ہو گئی ہے۔ یہی کمی مدراس بمبئی اور صوبہ سرحدی اور اودھ میں بھی ہوئی ہے ۱۸۷۲ء سے ۱۸۸۱ء تک حیدرآباد میں آبادی کا اضافہ ہونا حسن انتظام کی دلیل ہے۔

معافی محاصل متعدد چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن پر محصول لگانے سے آمدنی تو تھوڑی بہت ہو جاتی ہے مگر عام کاروبار کو سخت نقصان ہوتا ہے۔ ایسی آمدنیوں کو حیدرآباد میں معاف کر دیا گیا ہے چنانچہ:-

۱۔ محصول چرواہوں پر
۲۔ " نکاح "
۳۔ " چمڑے "
۴۔ " بازار اور منڈی "
۵۔ " جلاہوں "
۶۔ " کاروبار اور پیشوں "
۷۔ محصول حمل و نقل پر
۸۔ " حفاظت جان و مال پر
۹۔ " گھاس کی سپلائی "
۱۰۔ " فروخت ترکاری "
۱۱۔ " بانس "
۱۲۔ " درآمد غلہ "

ان معافیوں میں سے چند پر سرکاری نقصان یہ ہوا ۔

بن چرائی	۲و۶۶و۲۳۳
محصول حمل و نقل	۳و۳۹و۷۷۶
" درآمد غلہ	۲و۰۰و۰۰۰
محصول پیشہ و کاروبار	۲و۹۵و۱۷۱
کمی محصول روغن تیل وغیرہ	۶و۵۰و۰۰۰

جملہ بشمول بعض دیگر — ۱۹و۸۲و۶۱۰ روپے

ٹائمز آف انڈیا میں اس سلسلے میں برطانوی ہند کے وزیر مال سرچارڈ ٹمپل کے طرز عمل پر ایک مقالہ آیا ہے ۔ وہ تعجب کرتا ہے کہ ایک جگہ محصول کم ہو رہا ہے تو دوسری جگہ بڑھ رہا ہے حیدرآباد میں بہت سے تکلیف دہ محصول نہیں ہیں وہاں مجلس بلدیہ ہے مگر ایسے بہت سے محاصل نہیں ہیں جو برطانوی ہند میں لئے جاتے ہیں۔

حیدرآباد میں عام اضافہ آمدنی بھی ہو رہا ہے مگر اس طرح نہیں کہ اضافہ محاصل کیا جائے ۔ بے شبہ مالگزاری، آبکاری اور عدالتی فیس سے آمدنی میں اضافہ ہوا ہے مگر بعض نئے ذرائع آمدنی ہیں چنانچہ جنگلات، سرحدی چنگی خانے، اسٹامپ، محصول شوارع، اور ڈاک سے بھی آمدنی ہونے لگی ہے۔

انگریزوں کو اپنے زیر اثر علاقے میں تجارت کو ترقی دینے پر بڑا ناز ہے

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قلمرو ئے نظام نے اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کرکے شاندار نتائج حاصل کئے ہیں چنانچہ محکمہ دیوانی نے جاگیرات اور صرفخاص کے حق محصول حمل ونقل کو دو لاکھ روپے سالانہ محاصل کے اراضی معاوضے میں دیکر منسوخ کیا اور مزید براں ایک لاکھ سے زائد نقد روپیہ سالانہ دینا منظور کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حیدرآباد میں یوروپی سامان کی درآمد ڈھائی لاکھ سالانہ سے بڑھ کر چھ کروڑ روپے سالانہ تک پہنچ گئی۔ اگر یہی تناسب برطانوی ہند میں ہوتا تو؟

عمدہ اور سستا انتظام دیسی افسر کے مقابلے میں اسی درجے کے انگریز افسر کو کئی گنا زائد تنخواہ سے مالیہ پر جو اثر پڑتا ہے اسے نظر انداز بھی کر دیں تو یہ امر کتنا سبق آموز ہے کہ حیدرآباد میں صرفہ وصولی فی صد اوسط چھ روپے سات آنے تین پائی ہے تو برار میں پینتالیس روپیہ چودہ آنہ پانچ پائی یعنے سات گنا زائد ہے حالانکہ برار کی حالت حیدرآباد سے کچھ جدا نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ وہ حیدرآباد کا ہی ایک قانونی جزء ہے یہ برار ہی سے مخصوص نہیں پنجاب میں چنگی کی وصول پر اکتیس سے چونتیس روپے سینکڑا تک خرچ ہوتا ہے۔ دیسی ریاستوں سے زیادہ برطانوی ہند میں قحط ہونا کچھ نہ کچھ معنے رکھتا ہے۔ انتظامات قحط دیسی ریاستوں میں جتنے مہربانانہ ہوتے ہیں کاش برطانوی ہند میں بھی ہوتے۔ انگریز افسروں کا ملک کی زبان اور رسم ورواج سے ناواقف ہونا غلطیوں اور ناخواستہ ونادانستہ مظالم کا باعث ہوتا ہے۔

قیدیوں سے سلوک حیدرآباد میں ایک روپیہ تیرہ آنے ایک پائی فی کس خرچ ہے تو مدراس میں چودہ آنے نو پائی

بمبئی میں ۱۰ء۸، بہار میں عصم ۲۰ء۱۱، بنگال میں عصم ۵ء۷، اور صوبہ سرحدی میں عصم ۱۰ء۲۲ ہونا ثابت ہوا ہے۔ پولیس پر بھی زیادہ خرچ ہوتا ہے اور انہیں کہیں زیادہ عمدہ گزارہ ملتا ہے۔ یہی حال تعلیم و طبابت اور دیگر صیغہ جات کا ہے۔ اور ماننا پڑتا ہے کہ حیدرآبادی وزراء یکے بعد دیگرے برابر اسی پالیسی پر عامل رہے ہیں۔

مزید برآں یہ امر قابل ذکر ہے کہ وزیر ہوتے ہی سالار جنگ اول نے اپنی تنخواہ اپنے پیشرووں سے آدھی کر لی۔ اس کے بعد اس میں مزید پچیس روپیہ فیصد کی کمی خود انہوں نے کی۔ "سوال یہ ہے کہ برطانوی ہند میں بھی ایسا کبھی ہوا ہے" ہم انگریزی انتظام کو عمدہ قرار دیتے ہیں مگر یہ ماننا پڑتا ہے کہ قابل دیسی انتظام اس سے کم نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر:

	حیدرآباد	برطانوی ہند
مالگزاری ۱۸۵۳ء	۶۸،۰۱۰،۱۳۰	۲۸،۶۱۰،۰۰۰ پونڈ
″ ۱۸۸۱ء	۳۱۱،۰۴۰،۵۳۸	۲۸،۳۷۰،۰۰۰ ″
	یعنی ۳۵۷٫۸۴ فی صد اضافہ	یعنی ۲۳۰ فیصد اضافہ

سرکاری قرضہ

۱۸۵۳ء میں حیدرآباد کو تیس لاکھ کا قرضہ تھا چند ہی سال میں اس کی جگہ پون کروڑ کی بچت ہو گئی۔

سنین مذکورہ میں حیدرآباد نے بجز ایک جبری معاملہ ریل کے اور کسی کام کے لئے قرض نہیں لیا حالانکہ برطانوی ہند میں کمی اور دیگر اخراجات کی پابجائی کے لئے چار کروڑ پونڈ سے زائد کا قرضہ لیا گیا۔ گزشتہ تینتالیس ۴۳ سال میں برطانوی ہند میں شہنشاہی قرضہ پانچ سو فیصد بڑھ گیا ہے حالاں کہ

آمدنی میں صرف ساڑھے تین سو فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔

حیدرآباد پر بھی سابقہ قرضے تھے۔ جن میں کچھ حصہ صرفِ خاص کو ادا طلب تھا اور کچھ ساہوکاروں کو (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہان آصفی اپنی ذاتی آمدنی کو بھی ریاست ہی کے لئے وقف رکھتے ہیں۔ (مترجم)

اس میں نہ صرف سال بہ سال کمی ہوتی گئی بلکہ موازنے میں مسلسل بچیت میں اضافہ ہوتا گیا چنانچہ:۔

سال ۱۸۶۷ء ۱۸۷۰ء ۱۸۷۶ء ۱۸۸۰ء ۱۸۸۵ء ۱۸۸۲ء۔
بچیت زائد از ۳۲ لاکھ۔ ۴۰ لاکھ۔ ۳۸ لاکھ۔ ۶۰ لاکھ۔ ۶۴ لاکھ۔ ۶۵ لاکھ

عام آمدنی میں تقابلی مطالعہ بتاتا ہے کہ حیدرآباد میں ۳۵٫۷ فیصد کا اضافہ ہوا تو برطانوی ہند میں سو فیصدی سے بھی کم اضافہ ہوا۔

یہ کوئی جواب نہیں ہوگا کہ برطانوی ہند کو بڑے مشکلات سے روبراہ ہونا تھا۔ اور سرحدی مشکلات کے علاوہ "غدر" بھی ہوا۔ کیونکہ اول تو حیدرآباد کے فوجی اخراجات اسکی مرضی کے بغیر برطانوی ہند کے اخراجات سے بہتر زیادہ ہیں۔ چنانچہ کل آمدنی کا زائد از ثلث حیدرآباد میں تو زائد از ربع برطانوی ہند میں خرچ ہوتا ہے۔ سالار جنگ سے قبل کچھ دنوں تو کل آمدنی سے بھی زیادہ فوجی اخراجات تھے۔ دوسرے "غدر" تو خود بد انتظامی کا نتیجہ تھا۔ اسے روکنا یا بہ آسانی دبانا ہی اچھی حکومت کا معیار ہے۔

تناسب ملازمین

حیدرآباد پر غیر ملکیوں کے بھرنے کا بھی الزام ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ ستانوے فی صد ملکی ملازم ہیں۔

وطنیت	تعداد	فیصد
حیدرآبادی	۱۹۴۰	۹۵٫۴۷

ہندوستانی	۱۲۸	۴۹۰۴
مدراسی	۷۸	۲۰۰۱
بمبوی	۲۳۲	۸۰۹۶
دیگر صوبجات ہند سے	۲۰۲	۷۰۸۰
تقرر طلب	۱	۰۰۳
یوروپی	۸	۰۳۱
	۱۳۵۸۹	

یہی نہیں سالار جنگ کا ارادہ تھا کہ ملکیوں کو نوے فیصد جگہ ملے انہوں نے غیر ملکیوں کا تقرر خاص اپنی منظوری کا محتاج کردیا۔ تعداد بالا بہ لحاظ مذاہب یوں منقسم ہوتی ہے:۔

	مسلمان	ہندو	پارسی	عیسائی	تقرر طلب
تعداد	۶۰۰	۱۸۵۹	۴۹	۱۰	۱
فیصد	۲۵٫۸۸	۷۱٫۸۴	۱٫۸۹	۰٫۳۶	۰۰۳

مغربی تعلیم ۱۸۸۵ء میں میر لائق علیخاں وزیر اعظم حیدرآباد نے دس ملکی طلبا کا انتخاب کرکے انگلستان تعلیم کیلئے بھیجنا طے کیا ہے اور قرار پایا ہے کہ اپنی مرضی اور رجحان کے مطابق وہ تعلیم پائیں۔ انہیں سرکاری خرچ ملے گا اگر یہ پہلا تجربہ کامیاب ثابت ہو تو طے کیا گیا ہے کہ سال بہ سال اسی طرح طلبا بھیجے جائیں۔

حیدرآبادی حکومت کا مطمح نظر ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ قلمروئے آصفیہ کے ارباب نظم ونسق یہ ہرگز نہیں خیال کرتے کہ وہ کمال کے درجے کو پہنچ چکے ہیں۔ وہ ہرگز یہ نہیں سمجھتے کہ وہ کامیابی

حاصل کر چکے ہیں۔ اور اب آرام لینا چاہیئے۔ اس کے برخلاف وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس سے بھی زیادہ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے اور وہ اس کے حصول کے لئے پوری قوت سے آگے بڑھتے ہیں۔ (تعلیق وجوہ مندرجۂ اداریہ کے باعث عجلت میں یہ مضمون تیار اور شائع کیا جارہا ہے اگر موقع ملے تو ان شاء اللہ آئندہ اس کے اعداد و شمار کو عصری بنانے کی کوشش کیجائے گی)

(از الکشافہ تذکار خود مختاری نمبر ۱۳۶۶ف)

حیدرآباد اور بعض خودمختار ممالک

(خلاصہ تقریر نواب بہادر یار جنگ بتقریب یوم خود مختاری سلطنت آصفیہ)

ہمارے آج کے اجتماع کا مقصد آپ سب کو معلوم ہے۔ ہم پھر ایک سال کے بعد آج اس اعلان کی یاد منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں جو اعلیٰحضرت نواب میر عثمان علیخاں بہادر آصف جاہ نے سلطنت دکن کی خود مختاری کی نسبت فرمایا تھا۔ جس طرح انسان کی زندگی کی علامات میں ایک اہم چیز رنج و مسرت کا احساس بھی ہے اسی طرح وہ قومیں زندہ کہلانے کی زیادہ مستحق ہیں جو اپنی خوشی اور رنج کا احساس رکھتی ہیں۔ اور اُن اساسی تغیرات کو ہمیشہ یاد رکھتی ہیں جو اُن کی تاریخ حیات کی ترتیب کا مواد بنتے رہے۔ اس ماہ نومبر کے مہینے میں آپ اس لمحے سے گزر چکے ہیں جبکہ گذشتہ جنگ عظیم ایک متمدانہ صلح سے بدل گئی تھی۔ وہ تاریخ وہ لمحہ آج بھی اتحادیوں کے نزدیک ایک یادگار دن ہے آپ نے دیکھا کہ اس یادگار کے منانے میں مارکٹوں میں خرید و فروخت عدالتوں اور محکموں میں کاروبار میدانوں میں کھیل ہی نہیں۔ بلکہ

سمندروں میں جہاز اور فضا میں طیارے ساکن و صامت ہو کر اس دن کی یاد مناتے ہیں۔ دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح حیدرآباد کی تاریخ بھی اپنے اوراق پر بچاسوں ایسے واقعات رکھتی ہے جن میں سے ہر ایک ملکی جشن اور ملکی عید کے لئے منتخب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن کسی ملک کے لئے اس سے بڑھ کر مسرت خیز اور قابلِ یادگار کوئی اور دن نہیں ہو سکتا جب کہ اس کے بادشاہ نے ایک اور کمزور شہنشاہ کے بے جا استبداد اور تفوق سے نجات حاصل کر کے اپنی خود مختاریت اور استقلال کا اعلان فرمایا ہو اور اس ملک کو دنیا کے دوسرے آزاد خود مختار ممالک کے ساتھ دوش بدوش کھڑے ہونے کا امتیاز بخشے۔ مشرق اور خصوصاً حیدرآباد کی غیر سیاست دانی نے گزشتہ دو سو سال سے اس یوم سعید کو اپنے طاق نسیان کا سرمایہ بنا دیا تھا بالآخر وہ دن بھی آیا کہ حیدرآباد کی خوش نصیبی اس کے تخت پر ایک ایسے بیدار مغز بادشاہ کی رونق افروزی کی صورت میں نمایاں ہو گئی جو نہ صرف رعایا کی جسمانی و معاشرتی فلاح و بہبود کی فکروں میں لگا رہتا ہے بلکہ اُس نے اُس کی رُوحانی اور اجتماعی تربیت کا بھی بیڑا اُٹھایا ہے تعطیل کے اعلان سے اس یوم سعید کی اہمیت حضرت حکیم السیاست نے ہم کو بتا دی۔ اگر ہم اُس سے فائدہ نہیں اُٹھا رہے ہیں اور وہ ہماری دوسری تعطیلوں کی طرح بیکاری میں گزر رہی ہے تو یہ ہماری بدبختی ہے۔ آج کے جلسے کے قیام کا مقصد یہی ہے کہ ہم اس اعلان کی اہمیت کا اندازہ کریں اور اس کے تذکرے سے اپنے آپ کو اور اپنے ملک کو پہچاننے اور اپنی آپ قدر کرنے کے قابل بنیں۔ آپ نے اپنے ملک کی گزشتہ اور موجودہ تاریخ سے متعلق بہت کچھ سنا اور اپنی سلطنت کو ہندوستان کی دوسری ریاستوں

کی طرح ایک دیسی ریاست کہنے کو آپ اپنی اور اپنے ملک کی ذلت تصور فرماتے ہیں۔ آپ نے معلوم کر لیا کہ آپ ایک مستقل سلطنت، ایک مکمل مملکت اور ایسے معاہدات کے ساتھ شہنشاہیت برطانیہ کے حلیف اور یار وفادار ہیں جو آپ کو سلطنت عالیہ برطانیہ کا ایک طاقتور اور خود مختار دوست ثابت کرتے ہیں۔ اب میں یہ بتانے کے لئے آپ کے سامنے کھڑا ہوں کہ دنیا کے آزاد خود مختار ممالک کی فہرست تیار کی جائے اور ان میں سے اکثروں سے آپ کی حکومت و سلطنت کا مختلف نوعیتوں اور حیثیتوں سے مقابلہ کیا جائے تو آپ کسی سے کم ثابت نہ ہوں گے۔ اور اکثروں سے بحیثیت مختلف آپ کا تفوق مسلّم ہوگا۔

کسی سلطنت و مملکت کا جب ہم دوسری سلطنت یا مملکت سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس تقابل میں چند ہی چیزیں دیکھی جاتی ہیں۔ رقبہ مملکت، آبادی، رقبہ آبادی کے لحاظ سے فی مربع میل آبادی کا تناسب، آمدنی اور اس کے ذرائع و امکانات، تعلیم و شائستگی وغیرہ۔ اور اب بیسویں صدی میں فوجی و جنگی طاقت سب سے زیادہ قابل لحاظ چیز بن گئی ہے۔ دنیا کے جغرافیہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت جو ممالک دنیا کی بساط پر سب سے اہم مہروں کا پارٹ ادا کر رہے ہیں ان میں بھی اکثروں سے حیدر آباد امتیازات خاص رکھتا ہے جب ہم کسی ملک کی عظمت و بزرگی کا تخیل کرنے لگتے ہیں تو سب سے پہلا اور اہم سوال جو کسی شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ اس کے رقبۂ حکومت کا خیال ہے آج بھی سلطنت برطانیہ کی عظمت سب سے پہلے اس خیال سے پیدا کی جاتی ہے کہ اسکی حدود مملکت سے کہیں آفتاب کی روشنی دور نہیں ہوتی۔ لیکن آپ کو یہ دیکھ کر

حیرت ہوگی کہ دنیا میں بعض ایسے بھی آزاد اور خود مختار ممالک ہیں جن میں سے
بعض کا رقبہ حیدرآباد کے کسی صوبے کے برابر بھی نہیں ہے لیکن وہ آزادی
اور خود مختاری کے اُن تمام لوازم سے بہرہ اندوز ہیں جو ایک بڑی سے بڑی
آزاد سلطنت رکھتی ہے۔ مثلاً یونان کا رقبہ انچاس ہزار مربع میل ہے۔
بلغاریہ کا چالیس ہزار میل، پرتگال کا پینتیس ہزار پانسو، البانیہ کا بیس ہزار،
ڈنمارک کا پندرہ ہزار، ہالینڈ کا بارہ ہزار سات سو، بلجیم گیارہ ہزار مربع
میل ہے اور ان سب کے مقابلے میں حیدرآباد کا رقبہ اپنی موجودہ
حالت میں بیاسی ہزار چھ سو اٹھانوے مربع میل ہے۔ گویا جن آزاد بادشاہوں
اور جمہوریتوں کا ذکر کیا گیا ان میں سے بعض سے دُگنا بعض سے چار گنا اور
بعض سے چھ بلکہ سات گنا زیادہ ہے لیکن اگر حیدرآباد کے اس موجودہ
رقبے میں آپ برار و شمالی سرکار کے رقبے کو بھی شامل کرلیں جو بلاشبہ
اور جائز طور پر مملکت حیدرآباد کا ایک جز ہے تو بلا خوف تردید کہا جاسکتا
ہے کہ اس کا رقبہ مملکتِ یورپ کی درجہ اول کی سلطنتوں، انگلستان،
جرمنی، فرانس، اٹلی اور ہسپانیہ سے زیادہ نہیں تو اُن کے برابر ضرور ہوجائیگا۔

دوسری اہم وجہ امتیاز جو ایک مملکت کو دوسرے سے ممتاز کرتی ہے
وہ یہ ہے کہ اس کی حکومت کے زیرِ سایہ کتنے نفوس انسانی زندگی بسر
کر رہے ہیں بعض ایسے ملک بھی دنیا کے نقشے پر ملیں گے جن کا رقبہ اس
برِ اعظم کے اس کنارے سے اس کنارے تک پھیلا ہوا ہے لیکن آبادی
اس میں ویسی ہی ہلکی جیسے ایک صحرائے لق و دق میں سبزہ و گیاہ کا نشان،
آبادی کی کمی اور زیادتی کے اسباب مختلف ہوسکتے ہیں۔ اراضی کے بڑے
حصے کا بنجر، صحرا، پہاڑ، اور اسی طرح دوسرے اسباب کی بنا پر ناقابلِ کاشت

ہونا، مملکتوں کا غلط نظام حکومت اور رعایا کا اس سے مطمئن نہ ہونا کہیں اقتصادی اور معاشی حالت کی خرابی وغیرہ۔ حیدرآباد کی آبادی گزشتہ مردم شماری کی رو سے بلا شمول صوبۂ برار و شمالی سرکار ایک کروڑ چوالیس لاکھ چھتیس ہزار ایک سو پچاس ہے اگر اس کو رقبہ مملکت پر تقسیم کیا جائے تو فی مربع میل ۱۷۵ نفوس کا اوسط آتا ہے برخلاف اس کے دنیا میں بہت سے ایسے خود مختار اور آزاد ممالک ملیں گے جن کی آبادی کو حیدرآباد کی آبادی سے کوئی نسبت نہیں ہے اس تناسب آبادی کی قرارداد میں ہم ان ممالک کو نظر انداز کرتے ہیں جن کے رقبہ سے متعلق اوپر بحث ہوئی۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اُن کی آبادی بھی رقبہ کے تناسب سے کم ہوگی اور ہے۔ مثلاً یونان جس کی آبادی صرف ستر لاکھ ہے اور فی مربع میل اس کی آبادی کا اوسط (۱۴۷) نفوس ہے۔ بلغاریہ جس کی آبادی صرف پچپن لاکھ ہے اور فی مربع میل (۱۳۷) نفوس ہے۔ البانیہ کی آبادی ۱۰ لاکھ اور فی مربع میل (۵۰) نفوس ہے۔ پرتگال کی آبادی چھپن لاکھ اور فی مربع میل (۱۰۰) نفوس ہے۔

مذکورۂ بالا ممالک کی آبادی کے اعداد شمار پر غور کرتے ہوئے یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہیئے کہ یہ یورپ کے وہ ممالک ہیں جو کہ زرخیزی کے اعتبار سے مشہور اور ہر قسم کے اقتصادی اور معاشی تفوق سے سرفراز ہیں اور ان میں سے اکثروں کی اپنی بندرگاہیں ہیں۔ زراعت، تجارت، صنعت، کسب معاش کے بیسیوں ذرائع اُن کو حاصل ہیں اور انکا طریقۂ حکومت بھی ترقی یافتہ کہا جا سکتا ہے جو باوجود اس کے کہ وہ حیدرآباد کی آبادی اور رقبے کے ساتھ کسی تناسب میں مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اب چند اُن ممالک پر بھی نظر ڈالئے جو کو رقبہ اراضی حیدرآباد سے دو چند اور بعض صورتوں میں چہار چند رکھتے ہیں لیکن آبادی میں حیدرآباد

کے ساتھ ان کو کوئی نسبت نہیں دیجا سکتی مثلاً شہنشاہیت ایران جس کا رقبہ حیدرآباد سے تقریباً آٹھ گنا زیادہ ہے یعنی چھ لاکھ تیس ہزار مربع میل لیکن آبادی حیدرآباد سے کم یعنی صرف ایک کروڑ ہے۔ آبادی کا تناسب فی مربع میل صرف (۱۶) نفوس پر مشتمل ہے۔ حکومت نجد و حجاز کا رقبہ گو حیدرآباد سے بارہ گنا زیادہ یعنی دس لاکھ مربع میل ہے لیکن آبادی صرف (۱۵) پندرہ لاکھ اور تناسب (۱ ½) کس فی مربع میل ہے۔ عراق کا رقبہ حیدرآباد سے تقریباً دوگنا زیادہ یعنی ڈیڑھ لاکھ مربع میل ہے لیکن آبادی صرف تیس لاکھ اور تناسب بیس کس فی مربع میل ہے مصر کا رقبہ حیدرآباد سے چار گنا زیادہ یعنی تین لاکھ ترسٹھ ہزار دو سو میل لیکن آبادی تقریباً برابر یعنی ایک کروڑ چالیس لاکھ اور تناسب آبادی (۳۸) ایشیائی ترکی کا رقبہ تقریباً پانچ گنا زیادہ یعنے چار لاکھ مربع میل لیکن آبادی حیدرآباد سے کم یعنی صرف ایک کروڑ بیس لاکھ ہے اور تناسب صرف (۳۰) افغانستان کا رقبہ بھی تقریباً تین گنا زیادہ یعنی ۲ لاکھ پینتالیس ہزار مربع میل ہے۔ لیکن آبادی نصف سے بھی کم یعنی ترسٹھ لاکھ اسی ہزار اور تناسب صرف (۲۶) اب اندازہ کیجئے حیدرآباد اپنی آبادی کے اعتبار سے نہ صرف یورپ کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں بلجیم، ہالینڈ، البانیہ، یونان، پرتگال، ڈنمارک، بلغاریہ وغیرہ سے بڑھ کر ہے بلکہ ایشیا کی بڑی بڑی سلطنتوں ایران، ترکیہ، مصر، نجد و حجاز، عراق، افغانستان اور نیپال وغیرہ سے بھی بڑھ کر ہے اور تمام تقابل برار کو شامل کئے بغیر ہے جو مملکت آصفیہ کا ایک زرخیز اور آباد صوبہ ہے۔ اگر اس کو شامل کر لیا جائے تو شاید یورپ کی بڑی بڑی سلطنتیں بھی حیدرآباد کا آبادی کے معاملے میں مقابلہ نہ کر سکیں۔ آپ نے یہ بھی دیکھ لیا کہ ایشیا کے بعض ممالک جو اپنے

رقبے میں زیادتی پر ناز کر سکتے ہیں اُن کی حقیقت کیا ہے ان کے رقبہ مملکت کا بیشتر حصہ غیر آباد ویران اور سنسان ہے۔ اگر کوئی شخص ویرانوں کھنڈروں اور غیر آباد مقاموں میں کھڑا ہو کر رابن سن کروسو کی طرح صدا بلند کر سکتا ہے اور دنیا اس کو ایک باعظمت و جبروت بادشاہ مان سکتی ہے تو پھر غیر آباد ممالک بھی بیشک حیدر آباد کے مقابلے میں اپنا تفوق جتا سکتے ہیں لیکن اگر مملکت کے لئے آبادی شرط ہے اور وہ حیدر آباد کی مناسبت سے اُن کے یہاں کچھ بھی نہیں تو اُن کو حیدر آباد کے تفوق کو ماننا پڑے گا برخلاف ان ممالک کے جہاں میلوں تک رقبۂ اراضی صحرا یا پہاڑوں کی شکل میں بیکار ہے حیدر آباد میں اس وقت ½ ۲۷ فیصدی اراضی کاشت پر اٹھی ہوئی ہے۔ بقیہ ½ ۷۲ فیصدی رقبہ میں سے بھی ½ ۱۲ فیصدی جنگل اور کنچہ وغیرہ کی صورت میں ذرائع آمدنی ہے۔ صرف ۶ فیصدی رقبہ کو ناکارہ کہا جا سکتا ہے۔

موجودہ زمانے میں عظمت وجلال کی ایک بڑی علامت دولت اور آمدنی تصور کی گئی ہے۔ اور یہ ایک حد تک بجا بھی ہے زر کا ستار العیوب اور قاضی الحاجات ہونا تو ایک حکیم مشرق کی زبان سے صدیوں پہلے تسلیم کر لیا گیا ہے اب ہم دیکھتے ہیں کہ جو ممالک دنیا میں آزاد اور ممتاز ہیں انکے مقابلے میں بلحاظ اپنی آمدنی اور دولت کے حیدر آباد کا کیا درجہ ہے؟ اس وقت ایک بڑی دشواری ہم کو یہ درپیش ہے کہ ہم مغربی و مشرقی سکوں کی شرح تبادلے سے واقف نہیں ہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُن کی آمدنی جو ہم کو معلوم ہوئی ہے وہ کتنے پاؤنڈ یا کتنے روپیہ کے مساوی ہے ہم کو یقین ہے کہ اگر تھوڑا وقت ملے اور اُن سکوں کے شرح تبادلے سے ہم واقفیت

ہوجائیں تو آسانی سے ہم اس میدان میں بھی حیدرآباد کے تفوق کو ان دوسرے
ممالک پر ثابت کرسکیں گے۔ فی الحال جن ممالک کے سکوں کا ہم کو علم ہے اور
جنکی آمدنی پاؤنڈز میں ہم کو معلوم ہوسکے ان سے حیدرآباد کا مقابلہ کرنے کی
کوشش کرتے ہیں۔ نجد و حجاز کو چھوڑ دیئے کیونکہ وہ یوں بھی ایک بے آب و گیاہ
ملک ہے جس کے ایک حصے کو آسمانی زبان میں وادی غیر ذی زرع کا لقب
دیا گیا تھا' اور جس کی بڑی آمدنی کا انحصار حجاج کی تعداد پر ہے نیپال
جو ہندوستان کے شمال اور ہمالیہ کے دامنوں میں دوسرے آزاد
ممالک سے الگ کوس استقلال بجا رہا ہے' اس کی سالانہ آمدنی صرف ایک ملین
پونڈ یعنی ۱½ کروڑ روپیہ سکہ عثمانیہ ہے۔ ایران حیدرآباد سے چھ گنا رقبہ
مملکت رکھتا ہے اور عراق عرب کے کناروں سے لیکر بلوچستان کے حدود
تک اور شمال میں تبریز اور آذربائیجان کے علاقے میں ایک وسیع سلسلہ
بندرگاہوں کا رکھتا ہے اور خلیج فارس اور بحر ہند و خلیج قفقاز سے اسکی
آزاد تجارت جاری ہے باوجود اس کے اس کا محاصل حیدرآباد کی آمدنی
سے کچھ بہت زیادہ نہیں صرف سات ملین پونڈ یعنی ساڑھے دس کروڑ
روپیہ سکہ عثمانیہ ہے۔ افغانستان کے رقبے کو آپ نے سنا کہ حیدرآباد سے
تقریباً تین گنا زیادہ ہے لیکن آمدنی کو آپ سنیں گے تو حیرت کریں گے کہ
ایسے ممالک بھی دنیا میں آزاد اور خود مختار ہیں اور اپنی خود مختاری کو دنیا
سے تسلیم کرا رہے ہیں۔ افغانستان کی موجودہ آمدنی چار کروڑ پچاس
لاکھ روپیہ افغانی ہے جس کا شرح تبادلہ اس وقت جب کہ میں تھا تین روپیہ
کابلی مساوی ایک روپیہ کلدار تھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ افغانستان کی موجودہ
آمدنی صرف ڈیڑھ کروڑ روپیہ ہے۔ عراق کا رقبہ حیدرآباد سے دوگنا زیادہ ہے

اور یہ وہ ملک ہے جس میں سے دجلہ اور فرات جیسی دریائیں بہتی ہیں جس کو بصرہ جیسا بندرگاہ میسر ہے جو تین آزاد مملکتوں ایران، ترکیہ اور نجد وحجاز سے اپنے حدود اور تجارت کو وابستہ رکھتا ہے لیکن باوجود اس کے اس کی آمدنی چار ملین پونڈ یعنی چھے کروڑ سکہ عثمانیہ ہے۔ جب ہم اپنی مملکت کی آمدنی کا دوسرے ممالک سے مقابلہ کر رہے ہیں تو ایک رعایت ملحوظ رکھنے کے قابل ہے۔ حیدرآباد کی طرح ان ممالک میں جاگیرات انعامات اور دیولو اور درگاہوں کی معاشیں مقرر نہیں ہیں نہ بادشاہ کے لئے ایک علیحدہ رقبۂ اراضی صرفخاص کی طرح الگ کیا گیا ہے بلکہ ان کی آمدنی کی کائنات وہی ہے جو اوپر بیان کی گئی۔ برخلاف اس کے صوبہ برار وغیرہ کو نظرانداز کرنے اور جاگیرات، سمستان، پائیگاہ اور صرف خاص مبارک کو خارج کرنے کے بعد جن کا اندازہ ایک ثلث سے بھی زیادہ کیا جا سکتا ہے اور کسی بندرگاہ کی عدم موجودگی میں کیونکہ حیدرآباد کی بندرگاہ سولی ہم کا سوال ابھی زیربحث ہے حیدرآباد کی آمدنی ۹ کروڑ سکہ عثمانیہ یعنی چھ ملین پونڈ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ حیدرآباد کی آمدنی عراق سے ڈیڑھ گنی، افغانستان اور نیپال سے چھے گنی زیادہ ہے اور ایران کی آمدنی کے تقریباً مساوی ہے۔

ایک بات اور آپ کی توجہ کے قابل ہے وہ یہ کہ دنیا میں وہی شخص مالدار نہیں کہلایا جا سکتا جس کی آمدنی زیادہ ہو بلکہ اس کے تمول کے اندازے کے لئے اس کے خرچ اور قرض کا اندازہ بھی ضروری ہے۔ دنیا میں ایسی بہت سی عظیم المرتبت سلطنتیں بلکہ شہنشاہتیں آپ کو ملیں گی جو حیدرآباد سے کہیں زیادہ آمدنی رکھتی ہیں لیکن سال میں دو مرتبہ امریکہ کے قرضے کی صرف سود کی ادائی کا سوال ان کے لئے سوہان روح بن جاتا ہے۔ گزشتہ جنگ عظیم نے ان کے خزانو

وخالی اور ان کی جیبوں کو ہلکا کر دیا لیکن حیدر آباد اپنی روزافزوں ترقیوں اور اخراجات کی زیادتیوں کے باوجود کسی حکومت اور سلطنت کے روبرو شرمندہ اور خجل نہیں ہے سکا موازنہ خود موجودہ زمانے میں کساد بازاری اور رعایا کے ساتھ عدیم المثال حسن سلوک کے باوجود اپنے توازن کو نہیں کھوتا بلکہ دنیا کے مختلف گوشوں سے نگاہیں حسن طلب کے انداز میں اس کے خوان نعمت کیطرف اٹھتی ہیں۔ پھر ایک سوال در پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ حیدر آباد کی انتہائی آمدنی ہے اور اس نے اپنے تمام ذرائع آمدنی کو بہ تمام وکمال آزما لیا ہے؟ نہیں ابھی سینکڑوں اسکے معدن زمین کی چادر اوڑھے گمنامی کی نیند سو رہے ہیں اس کی زراعتی ترقی کی پہلی کروٹ پوری بیداری کی شکل اختیار نہیں کر سکی ہے اسکی صنعت وحرفت کی زندگی ایام طفولیت سے گذر کر عرصہ شباب میں قدم نہیں رکھنے پائی ہے اسکی تجارت بندرگاہ کے فقدان اور رعایا کی عدم رجحان طبع کی وجہ سے ابتدائی مدارج میں ہے اگر روئی اور تیل نکالنے والے اجناس کی کاشت میں محکمہ زراعت کی کوششیں کامیاب ہو جائیں اور ہمارا محکمہ صنعت وحرفت اپنی تمام خام پیداوار کو بکار آمد بنانے کے قابل ہو جائے اور ہماری منڈیاں اپنے مال سے پر ہو کر دوسرے مارکٹوں میں اپنی پیداوار بھیجنے لگیں تو آپ دیکھیں گے کہ آپ کا ملک دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے روبرو گردن افتخار دراز کر سکے گا۔ ان تمام نقاط نگاہ سے غور کیجئے اور اپنے آپ کو یہ پہچانئے کہ دنیا کے ممالک میں آپ کا کیا درجہ ہے۔ یہ مقولہ کہ آپ اپنی قدر کرو صرف انفرادی زندگی میں نہیں بلکہ اس سے زیادہ اجتماعی زندگی میں آزمایا جانے کے قابل ہے لیکن آپ اپنی قدر اسی وقت کر سکیں گے جب پہلے اپنے آپ کو پہچان لیں گے۔

رقبہ آبادی اور دولت ہی کسی ملک کی قابل تعریف خصوصیات نہیں ہو سکتیں

اگر وہاں کے رہنے والوں میں اس رقبۂ آبادی اور آبادی پر حکومت کرنے اور اس دولت کو کام میں لانے کی صلاحیت نہ ہو۔ حیدر آباد نے انتظامی معاملات سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد اپنی سب سے بڑی توجہ اپنے فرزندوں کی تعلیم و تربیت میں دی۔ اگر آپ ہمارے ان نتائج تعلیمی کو یورپین ممالک کے مقابلے میں رکھتے ہیں تو بے شک ہم ان سے ابھی پیچھے ہیں لیکن اگر مشرقی آزاد اور خود مختار ممالک سے ہمارا مقابلہ کیا جاتا ہے تو ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ ان میں سے اکثروں کے لئے ہماری مثال دن اور رات یا روشنی یا تاریکی کے مقابلے کے مانند ہے۔ ہماری خود مختار رعایا پرور حکومت نے اپنی رعایا کی تعلیم ہی کا خیال نہیں کیا بلکہ اس کی تربیت پر بھی توجہ کی۔ برطانوی ہند کے قابل اور تجربہ کار اشخاص کی خدمات بڑی بڑی بیش قرار ماہوار پر صرف اس لئے حاصل کی گئیں کہ وہ ملک کے فرزندوں کو ملک کی ضروریات کے مطابق تیار کریں تاکہ آئندہ حیدر آباد کسی دوسرے کی امداد کے بغیر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ ہم اس غرض سے بلائے جانے والوں اور ہمارے ملک کی خدمات انجام دینے والوں کی خدمات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے اب حیدر آباد کے فرزندوں کو اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ ان کے سہارے کے بغیر کھڑے ہی نہیں بلکہ میدانِ کارزار میں بلا خوف و خطر دوڑ سکتے ہیں۔

دنیا میں ہمیشہ اقوام و ممالک کی برتری و عظمت کا دار و مدار ان سب اسباب و علامات سے قطع نظر جن کا اوپر ذکر کیا گیا کسی ملک کی عسکریت اور طاقتِ حربی کے اندازے پر رہا ہے۔ اب ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ تم نے دوسرے ممالکِ آزاد پر رقبۂ آبادی، تمول، تعلیم، اور شائستگی کے اعتبار سے تو

پنا تفوق ثابت کیا۔ لیکن اس زمانے میں چھوٹی سے چھوٹی مملکت بھی اپنا مکمل فوجی نظام رکھتی ہے۔ کیا تم اس حیثیت سے بھی اپنے امتیاز کو ثابت کر سکتے ہو؟ میرا جواب بلا تردد اس بات میں یہ ہے کہ اعتراض کرنے والوں نے حیدرآباد پر بہت ہی سرسری نظر ڈالی ہے۔ انہوں نے اس کی تاریخ اور جغرافیہ کا پورا مطالعہ نہیں کیا۔ وہ صرف امپیریل سرویس ٹروپس، گولکنڈہ لانسرز، کیاولری گارڈ، انفنٹری توپ خانہ اور نظم جمعیت کو ہی حیدرآباد کا کل عسکری نظام خیال کرتے ہیں اور افواج ترملگیری، بلارم کی افواج کو انہوں نے بالکل جدا گانہ طاقت خیال کر رکھا ہے حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ فوجیں ابتدا ہی سے انگریزی فوجیں نہیں بلکہ عساکر آصفی ہیں جو حیدرآباد کے خرچ پر حیدرآباد کے لئے اس کے قابل احترام حلیف سلطنت عالیہ برطانیہ نے تیار کیں اور تیار رکھی ہیں۔ اب ان سب قوتوں کو یکجا کرو۔ اور بتاؤ کہ کیا حیدرآباد کا نظام فوجی کسی اور نظام عسکری سے کم ہے۔ پھر جغرافی حیثیت کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے کہ دوسری حکومتیں اپنے اطراف وجوانب اغیار کا ہجوم رکھتی ہیں۔ افغانستان کے ایک طرف انگریز ہیں جن سے اسکی کبھی نہیں بنتی۔ دوسری طرف روس ہے جو اپنے موقع کو کبھی ہاتھ سے دینا نہیں چاہتا۔ تیسری طرف ایران ہے، جسے ایک حریف حکومت کہا جا سکتا ہے جو تاریخ قدیم میں بھی سیستان اور اس کے مشرقی علاقوں سے ہمیشہ برسرپیکار رہا۔ یہی حال خود ایران، عراق، حجاز، ترکیہ، اور تمام یورپ کی آزاد اور خود مختار مملکتوں کا ہے۔ برخلاف اس کے حیدرآباد اپنے اطراف صرف ایک مملکت رکھتا ہے، جو اسکی دوست اور ایسی حلیف ہے کہ جسکے عہد محبت کو سلاطین آصفیہ نے تاریخ کے ہر دور میں مضبوط رکھا ہے جنوب اور مغرب کی

طاقتیں جن سے حیدرآباد کو آئے دن برسرپیکار رہنا پڑتا تھا۔ تاریخ کے ابتدائی اُس دور میں ختم ہوگئیں جب کہ وہ اعلان خود مختاری کیا گیا تھا جس کی ہم یاد منا رہے ہیں۔ اب حیدرآباد کو کسی سے لڑنا نہیں ہے بلکہ جو تیاری بھی اس نے کی ہے وہ اس لئے زیادہ ہے کہ وہ صرف اپنے طاقتور حلیف کی وقتاً فوقتاً امداد کے لئے کی گئی ہے۔ اندرونی انتظام کے لئے وہ جمعیت کافی سے کچھ زیادہ ہی کہی جاسکتی ہے کیونکہ حیدرآباد، افغانستان، ترکیہ حجاز و نجد کی طرح سازشوں کی آماجگاہ نہیں بلکہ یہاں امن و عافیت و اطمینان ہے۔

غالباً ان تمام حالات کو سن کر اور اپنی مملکت کی عظمت کا تصور کرکے آپ کو حیرت ہوگی اور اس میں اضافہ اس حقیقت نے کیا کہ باوجود دنیا کے اکثر خود مختار اور آزاد ممالک کا ہم پایہ بلکہ بلند پایہ ہونے کے حیدرآباد اس مرتبہ سیاسی سے محروم ہے جو دوسروں کو حاصل ہے۔ آپ پوچھ سکتے ہیں کہ کیوں ہمارے آپ کے بادشاہ جمجاہ اعلیحضرت سلطان العلوم نواب میر عثمان علیخان بہادر نظام الملک آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ کے اسم گرامی کے ساتھ "ہز مجسٹی" کا لقب شامل نہیں ہے آپ بے چینی سے دریافت کر رہے ہیں اور آپ کو کرنا چاہیئے کہ کیوں آپ کا ٹپہ حدود ہندوستان میں نہیں چلتا، جب کہ ہم سے نہایت کم حیثیت رکھنے والے ممالک کی ڈاک ان ہی کے ٹپے پر دنیا کے طول و عرض کو طے کر رہی ہے۔ کیوں آپ کے سکے کی قیمت حیدرآباد سے باہر نکل کر ٹھیکری اور پیسے سے زیادہ نہیں رہ جاتی۔ اور بمبئی و مدراس کے مارکٹ میں اس کے لئے گنجائش تبادلہ نہیں ہے۔ آپ کا یہ سوال بھی ایک حد تک بجا ہے کہ کیوں لندن

اور دہلی میں سفارت خانۂ حیدرآباد کی کوئی عمارت نظر نہیں آتی۔ میں حیران ہوں کہ آپ کے ان سوالات کا کیا جواب دوں۔ اوّل تو مجھے کوئی جواب سوجھ نہیں رہا ہے دوسرے شاید جناب صدر بھی اس مقام پر مجھے اپنی حدوں سے گزرا ہوا محسوس فرمائیں اس لئے صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا ہوں کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا۔ اور شاید آپ کا احساس اور طلب صادق اُس وقت کو جلد لائے۔

(منقول از الکشاف۔ حیدرآباد "تذکار خود مختاری نمبر" آذر ۱۳۴۳ف ص ۱۱ تا ۲۴)

عہدِ عثمانی کی حلیف نوازی

محمد حمید اللہ صاحب ایم۔ اے (عثمانیہ)

ابھی ابھی ہمارے بادشاہ ذیجاہ کی تخت نشینی کو بیس سال ہوئے اس موقعے کی مناسبت سے یہ مضمون پیش ہے۔ یہ دراصل ایک طویل زیر تیاری مضمون "حیدرآباد کے گزشتہ دو صد سالہ احسانات برطانیہ" کا آخری حصہ ہے۔

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی۔ اس موقع پر اعلیٰحضرت نے مسلمانان ہند کے نام ایک اعلان شائع فرمایا کہ ترکوں اور انگریزوں کی جنگ چونکہ محض سیاسی ہے مذہب سے اس کو کوئی تعلق نہیں اور چونکہ برطانیہ نے مقامات مقدسہ کی حفاظت کا یقین دلایا ہے' اس لئے مسلمانان ہند کو چاہیئے کہ برطانیہ کا ساتھ دیں۔ اس کا جو اثر ہوا اس کے متعلق اُس وقت کے

وزیرِ ہند کو اعتراف ہے کہ نظام ہی نے مسلمانانِ ہند کو بگڑنے نہ دیا۔

(روزنامچہ واشنگٹن)

جنگِ عظیم کے شروع سے آخر تک حیدرآباد نے اپنی فوج، اپنا خزانہ، اپنے جملہ اخلاقی و مادی وسائل انگریزوں کے لئے وقف کر دئے۔ دارالضرب وغیرہ میں سامانِ جنگ تیار کر کے مہیا کیا جانے لگا۔ چنانچہ ہزارہا شل گولے گاڑیاں صندوقیں وغیرہ تیار کر کے دی گئیں جن پر ساڑھے بارہ لاکھ کا صرفہ ہوا۔ (وہ رسالہ رپورٹ نظم ونسق ۱۳۲۱ف)

رنگروٹوں کی بھرتی میں علاوہ اخلاقی امداد کے اٹھائیس لاکھ روپیہ صرف کئے گئے (اگر مضمون نگار کی یاد غلطی نہیں کرتی تو چند روز تک جبری بھرتی بھی عمل میں آتی رہی)۔

نقد امداد میں عطیے کے طور پر دو کروڑ روپیہ دئے گئے۔ بطور قرضہ (جسے بعد میں معاف کرا لیا گیا) ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ روپے دئیے گئے۔

گھاس کے وسیع ذخیرے اور رقبے مہیا کئے گئے۔ ان سے سالانہ بائیس ہزار کا صرفہ ہوا۔ کارڈائیٹ (بغیر دھوئیں کے بھک سے اڑ جانے والے مادے) کے پندرہ ہزار ڈبے وغیرہ وغیرہ کے علاوہ مختلف قسم کا اسبابِ جنگ اسٹور سے مہیا کیا گیا۔ (ایضاً)

حیدرآبادی گو دُبلے پتلے ہوتے ہیں مگر ان کی بہادری غیرت اور ان کی پامردی داستانِ پارینہ نہیں۔ جنرل ہاربورڈ جو حیدرآبادی فوج کا سپہ سالار تھا ایک سرکاری مراسلت میں لکھتا ہے "میں یہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ ۔۔۔ حیدرآبادی دستہ کس غیر معمولی عمدگی سے کام کرتا رہا وہ اکثر سخت ترین آتش باری میں رہنے پر مجبور رہا۔ مگر مجھے ایک بھی تو ایسا واقعہ نہیں معلوم کہ کسی نے

خوف ظاہر کیا ہو یا جھجکا ہو۔ درحقیقت اس نے اپنا کام اسی طرح انجام دیا جس طرح معمر اور کار آزمودہ سپاہیوں سے توقع کیجاتی ہے۔ مجھے فخر ہے کہ میں اس کا کمانڈر بنایا گیا۔" (ایضاً)

جب یہ فوج حیدرآباد واپس ہونے لگی تو جنرل ہارڈبورڈ نے وداعی تقریر میں یہ فقرہ بھی کہا کہ یہ وہی فوج ہے جس سے امدادی (دکن ٹن جنٹ) فوجوں کا نام دنیا کے گوشے گوشے میں مشہور ہو گیا۔ (ایضاً)

جنگ عظیم کے ساتھ ہندوستان میں کلدار سکے کی ساکھ تقریباً ختم ہو گئی۔ ملک میں چاندی کی سخت کمی تھی۔ اور قریب تھا کہ حکومت دلوالیہ ہو جاتی ایسے میں حیدرآباد سے پچاس لاکھ چاندی کی اینٹیں انگریزوں کو دی گئیں امریکہ سے چاندی آنے تک (جو لارڈ ریڈنگ کا بہت بڑا کارنامہ ہے) اس امداد نے معجزے کا کام کر دکھایا۔

(ایضاً۔ نیز معاشیات ہند از پروفیسر برنی)

جنگ عظیم کے بعد ہندوستان میں تحریک خلافت وغیرہ کے باعث جو حالت تھی اس کا ذکر تحصیل حاصل ہے۔ اس زمانے میں حیدرآباد نے نہ صرف اپنا سکون برقرار رکھا بلکہ اعلیحضرت جلالت مآب کے اعلانات نے ہندوستان میں برقی اثر کا کام دیا۔ ورنہ نہ معلوم حالات کس حد تک پہنچ جاتے۔

وقت بوقت انگریزی چندے کھلتے ہیں۔ ان میں حیدرآباد لاکھوں روپے دیتا ہے۔ گو وہاں سے کسی حیدرآبادی چندے میں رقم مانگنا اب تک ہماری غیرت نے گوارا نہ کیا۔

جنگ عظیم کے کروڑوں کے قرضے معاف کر دئے گئے" (لندن ٹائمز وغیرہ)

گذشتہ سال جنگ نمک سازی کی ابتدا میں شاہ دکن نے جو اعلان شائع کیا اس کا اثر ہمیں ممکن ہے معلوم نہ ہو۔ مگر باخبر لوگ جو اس اعلان کی کیثر تشہیر سے واقف ہیں یقین کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی تحریک سے بڑی حد تک علٰحدگی کا ایک اہم باعث وہ بھی تھا۔

حیدرآباد نے بلا کسی بدل کے یہ امر منظور کر لیا ہے کہ یوروپی نوکر دیں کی ضرورت ہو تو فقط انگریز لئے جائیں۔ وائسرائے ارون نے شاہی ضیافت میں کہا کہ تین انگریز نوکر مستعار دئے گئے ہیں حالانکہ خود اس وقت تک سات نئے انگریز لئے جا چکے تھے۔ اس کے بعد سے اب تک کم و بیش کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ ان کو دیسی عہدہ داروں سے کئی گنی زیادہ تنخواہ ملتی ہے ان کے اردو نہ جاننے سے رعایا کو جو دقت ہوتی ہے اسے ایک حد تک دور کرنیکے لئے کثیر المشاہرہ مترجم عملے مہیا کئے گئے ہیں۔ برطانوی ہند میں خدمات سرکاری کو ہندیانے کی تحریک اور اسکیم کے باعث جو دقت پیدا ہو رہی ہے اس سلسلے میں حیدرآباد اپنے حلیف کے فرزندوں کو فراخ دلی سے ایثار کر کے روزگار مہیا کر رہا ہے۔

حیدرآباد نے گورنر جنرلوں، پرنس آف ویلز وغیرہ کی جو شاہانہ ضیافتیں اور مہمانداریاں کیں وہ ان کو اپنے ملک میں خود نصیب نہیں۔ ان پر مجموعی طور پر گزشتہ بیس سال میں علاوہ قیمتی سرکاری تحفوں کے کروڑں روپے صرف کئے گئے ہیں۔

حالیہ گول میز کانفرنس کی افتتاحی تقریر میں حیدرآبادی نمایندے

نے کہا کہ وہ اپنا پورا زور برطانیہ کی طرف آخر تک لگا دینے پر مامور ہے
اختتامی تقریر میں وزیر اعظم نے اعتراف کیا کہ اگر حیدر آبادی نمائندوں
کی تائید نہ ہوتی تو بہت سے اہم تجاویز جو منظور ہوئے پیش ہی نہیں
کئے جا سکتے۔

یہ تو دورِ عثمانی کی نوازشیں ہوئیں۔ اب ذرا اس اعتراف کو بھی
ملاحظہ فرمایئے جو ذمہ داران برطانیہ کے دلوں میں ہوتا ہے:۔ "چار بجے
نظام کا باضابطہ ورود ہوا۔ اس میں شک نہیں نظام کی شخصیت ہمارے
لئے بہت اہم شخصیت ہے۔ انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کو
بگڑنے نہ دیا۔ اور ہم نے ان کو "چلتے ہوئے" بڈھے وزرا اور اپنے
رزیڈنٹ کے توسط سے کافی استعمال کیا ہے۔ مگر ہم نے تمام والیان
ریاست میں نظام کو ہز اگزالٹیڈ ہائینس بنا کر بہت بد دلی پیدا کر دی۔[1]
نظام دوشنبے کی رات کو یہاں (وائسرائے کے یہاں) کھانا کھائیں گے۔
اس لئے مجھ سے کہا گیا کہ میں یہیں اور کھانا کھاؤں تا کہ میری موجودگی کو

---

[1] ۔ اس سے بڑھ کر حکمرانِ ہند کی ناواقفیت اور کیا ہو گی کہ وزیر ہند نے یہ الفاظ
کہے۔ ہر قسم کے خطابات سے اعلےٰ اور اپنے قومی خطاب کو ترجیح دینے والا حکمران
جس کے ماتحت خود کئی ہز ہائی نس ہیں، جو برطانیہ کا ماتحت نہیں بلکہ حلیف صادق ...
(حلیف قبل الاولیٰ) ہے جس کے بہت سے جاگیردار اکثر ہندوستانی والیان ریاست کے
سوائے نام کے ہر حیثیت سے فوقیت رکھتے اور جس کے ایک محترم پیشرو کے متعلق
خود انگریز مورخ لکھتے ہیں کہ لارڈ ہیسٹنگز نے ان سے "ہز مجسٹی" کا خطاب برتنے کی استدعا
کی تھی ایسے بادشاہ کے متعلق یہ الفاظ برت کر سابق وزیر ہند نے "بہت بد دلی پیدا کر دی"۔
(مدیر)

سے حفظ مراتب کی دشواری نہ پیدا ہو۔ یہ حرکت تو بالکل لغو ہے۔ اس طرح نظام کو بادشاہی منصب پر چڑھا کر کسی روز ان کے ہاتھوں پریشانی اٹھانی پڑے گی۔"

(ہندوستانی روزنامچہ مسٹر مانٹیگو آنجہانی وزیر ہند بحوالہ رسالہ جامعہ دہلی، جنوری ۱۹۳۱ء صفحہ (۹)

(منقول از الکشافہ حیدرآباد اردی بہشت ۱۳۴۰ف صفحہ تا ۱۰)

تتمہ

(از نامہ نگار دکن ٹائمز)

موجودہ جنگ کے دوران میں گزشتہ نو مہینوں کے عرصے میں حضور نظام نے ایک کروڑ روپیے سے زیادہ کا چندہ عطا فرمایا ہے باوجودیکہ ملک میں سخت قحط رہا ہے جس کے امدادی کام پر علاوہ پچاس لاکھ کی مالگزاری معاف کرنے کے ایک کروڑ روپیہ کی خصوصی منظوری صادر ہوئی ہے۔ ہوائی جہازوں کا حیدرآبادی اسکوارڈن ایک لاکھ پونڈ کے صرفے سے قائم کیا گیا اور اس کی نگہداشت کے لئے مزید پچاس ہزار پونڈ عطا کئے گئے ایک اور عطیہ پچاس ہزار پونڈ اور ایک تیسرا عطیہ پانچ لاکھ روپیے پر مشتمل رہا حکومت سرکار عالی نے تمسکات قرضہ بلاسودی پچاس لاکھ روپیے کے خریدے ہیں۔ طبی امداد اور دیگر اغراض کے لئے بھی مزید کئی لاکھ روپیے دیئے گئے ہیں۔ ان سب کے علاوہ دوران جنگ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ ماہوار دیئے جاتے رہنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ حیدرآبادی فوجوں کی روانگی سرکاری کارخانوں میں سامان جنگ کی تیاری طیارچیوں انجنیئر

وغیرہ کی تربیت اور دیگر امور پر مزید نامعلوم مقدار میں رقم صرف ہو رہی ہے۔
ہر کین فنڈ میں جو سوائے نام کے ہر حیثیت سے جبری ہے تیس لاکھ روپیہ
عوام سے جمع ہونے کی توقع ہے۔ سرکاری ملازمین کو مزید برآں تین
تین مہینے کی تنخواہ تمسکاتِ قرضۂ حسنہ میں لگانے پر مامور کیا جا رہا ہے۔
یہ سب تصویر کا صرف ایک رُخ ہے۔ میں یہ نہیں بیان کرونگا کہ حیدرآباد
کو (جس نے انگریزوں سے ایک دفعہ بھی جنگ نہیں کی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ
اس نے برطانوی اقتدار کی حفاظت اور ہندوستان میں اس کو مستحکم
کیا) انہیں لوگوں نے جو نظامانِ دکن کے فیض سے مستفید ہوتے رہے
کس طرح ایک عظیم طاقت سے موجودہ بےبسی تک پہنچا دیا۔ نہ ہی میں یہ
بیان کرونگا کہ کس طرح لارڈ ریڈنگ نے مغصوبہ برار کی واپسی کے
مطالبے پر اپنا بدنام جواب دیا۔ میں صرف ایک چھوٹے سے واقعے کا ذکر
کرونگا جو حال میں پیش آیا۔

معاہدہ برائے ترقی تجارت و حرفت مابین علاقہ ہائے ایسٹ
انڈیا کمپنی و حضور نظام" بابتہ ۱۸۰۲ء ان الفاظ سے شروع ہوا تھا کہ

> ہر گاہ ایک باقاعدہ تجارت قوم کی دولت مندی اور مرفہ الحالی اور
> سلطنت کی قوت کے لئے بےحد ضروری ہے، اور ہر گاہ ایک آزاد
> اور محفوظ اور مامون تجارتی تعلق ہمسایہ اقوام کے تعلقات دوستی
> امن و مودت کو باقی رکھنے اور ترقی دینے کے لئے مدد دیتا ہے، اس لئے
> معزز ایسٹ انڈیا کمپنی اور اعلیحضرت نواب آصف جاہ بہادر خواہشمند ہیں
> کہ ہر ممکن ذریعے سے اس قریبی اور گہرے تعلق کو جو خوش قسمتی سے اس وقت
> دونوں مملکتوں میں قائم ہے، ترقی دیں اور اپنے اس اتحاد سے اپنی اپنی

رعایا کو بھی فائدہ اٹھانے دیں۔ اس لئے حسب ذیل راضی نامہ طے ہوا ہے:-

ف ۱ میں بیان کیا گیا ہے کہ "معزز کمپنی بذریعہ ہذا رضامندی کا اظہار کرتی ہے کہ اعلیحضرت کو مچھلی پٹم کے بندرگاہ کو آزادانہ استعمال کرنے دے گی"۔

ف ۲ میں بیان ہوا ہے کہ حضور نظام کا جھنڈا اڑانے والے حیدرآبادی جہاز برطانوی ہند کی تمام بندرگاہوں میں اسی طرح داخل ہوسکیں گے "جس طرح نہایت منظور نظر قوم کے"۔

ف ۴ اور **ف ۵** کے ذریعہ سے تمام محاصل راہداری و چنگی برخاست کردئے گئے۔ اور حیدرآباد اس پر راضی ہوا کہ "پانچ فیصد محصول جس سے زیادہ نہ ہوسکے گا حیدرآباد میں بلا امتیاز ان تمام تجارتی سامانوں پر لگایا جائے گا جو قلمروئے آصفی میں کمپنی کے مقبوضات سے درآمد کئے جائیں"۔

ظاہر ہے کہ پانچ فیصد کی شرط صرف برطانوی سامان کیلئے ہے اُس سامان کے لئے نہیں جو غیر انگریزی ممالک سے براہِ راست درآمد کیا جائے۔ یہ بھی بغیر بتانے کے فوراً معلوم ہوجاتا ہے کہ حیدرآباد نے محصول درآمد کی انتہائی مقدار پانچ فیصد پر محدود کردینے کے ذریعے سے ایک بہت قیمتی حق سے دست برداری دیدی تھی۔

اب جبکہ حضور آصف سابع نے معاہدے کی ترمیم نہیں بلکہ محض تعمیل کی خواہش کی تو یہ "سیدھا سادھا" جواب وصول ہوا کہ حکومت ہند اِس دعوے کو تسلیم نہیں کرتی جو انہوں نے پیش کیا۔ فقط

(ترجمہ از دکن ٹائمز مدراس مورخہ ۳ اگسٹ سنہ ۱۹۴۰ء صفحہ ۱)

مملکتِ آصفیہ کے حدود

از جناب محمد یحیٰ صاحب

صدر مجلس اتحاد المسلمین کا نیا دستور آج کل منظوری کے آخری مراحل میں ہے۔ اس میں اس ادارے کو مملکت آصفیہ کے جملہ حصوں کا نمائندہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن مملکت آصفیہ سے مراد صرف حیدرآباد اور برار لئے گئے ہیں۔ ذیل میں معاہدات اور قانون بین الممالک کی روشنی میں مملکت آصفیہ کے صحیح حدود کے تعین کی کوشش کی گئی ہے:۔

کسی مملکت کے لئے ایک سرزمین یا علاقے کا ہونا قدیم سے غیر تبدل پذیر طور پر ایک لازمہ سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن اس سرزمین یا علاقے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سب ایک ہی جگہ ہو۔ برطانیہ کے مقبوضات دنیا کے ہر حصے میں ہیں جس کے باعث ہمیشہ اس کے کسی نہ کسی علاقے پر آفتاب ڈوبا ہوا رہتا ہے۔

اسپین کا ایک ضلع فرانس کے اندر ہے اور کچھ نوآبادیاں سمندر پار ہیں۔ ایسی مثالیں ہزاروں مل سکتی ہیں۔

اسی طرح یہ ضروری نہیں کہ کسی مملکت کو اپنے علاقے کے ہر جزء پر یکساں اقتدار حاصل ہو۔ برطانیہ کی اس جنگ میں آئرلینڈ کی قلم و غیر جانبدار اور جرمنی کے ساتھ پر امن تعلقات باقی رکھے ہوئے ہے قلمرو نوآبادیاں

مچھیے (پرو مکٹریٹ) غرض بیسیوں قسم کے علاقے برطانیہ کے پاس ہیں اور ان میں اس کا اقتدار کہیں زیادہ ہے کہیں کم کہیں برائے نام۔ مگر کہلاتے سب کے سب ہیں "برطانوی دولت عامۂ اقوام"

ان دو حقائق کی روشنی میں غور کریں تو معلوم ہو گا۔ مملکت آصفیہ کا اطلاق حسب ذیل اقطاع پر ہوتا ہے :۔

(۱) دیوانی علاقہ (۲) صرف خاص مبارک۔

(۳) جاگیرات و سمستان (۴) علاقہ زیر اقتدار اعلیحضرت حضور نظام۔

(۵) رعایائے حضور نظام کے مقبوضہ علاقے۔

پہلی دو قسموں کے متعلق تو کسی بحث کی ضرورت نہیں ہو گی۔ تیسری قسم یعنی جاگیرات اور سمستان کے سلسلے میں سب جانتے ہیں کہ یہ کئی قسم کے ہیں بعض مشروط الخدمت بعض محض پرورشی اور انعام کے لئے بطور التمغہ وغیرہ۔

اس زمرے میں نہ صرف اُمرائے پائیگاہ و عام جاگیردار و سمستان دار آتے ہیں بلکہ شمالی سرکار کے اضلاع مچھلی پٹم و نظام پٹم وغیرہ وغیرہ بھی آتے ہیں۔ کیونکہ ۱۷۶۵ء میں یہ علاقہ مشروط الخدمت انعام کے طور پر دیا گیا تاکہ جب کبھی حضور نظام طلب کریں انعام یاب یعنی انگریزی حکومت فوجی مدد بھیجے۔ معاہدات مابعد میں اس کی حیثیت نہیں بدلی چنانچہ گول میز کانفرنس کے زمانے میں اس جاگیر کا جو نذرانہ خراج انگریز اب تک حکومت حیدرآباد کو دیتے ہیں اس کا کچھ بقایا معاف کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اور حال میں مجلس وضع قوانین کے اجلاس میں بھی صدر اعظم بہادر نے اعلان فرمایا کہ مشروط الخدمت انعام انگریز خود خرید لینا چاہتے تھے۔ مگر حکومت سرکار عالی نے اس سے انکار کیا۔ ان حالات میں شمالی سرکار کی انعامی و مشروط الخدمت

جاگیر کو اس زمرے سے علیحدہ کرنا اور مملکت آصفیہ سے خارج سمجھنا غلط ہے۔

اسی طرح اضلاعِ مفوضہ کرنول کڑپہ مرتضیٰ نگر (گنتور) وغیرہ ۱۷۶۶ء میں ایک سند کے ذریعے سے انگریزوں کے تفویض کئے گئے تاکہ ان سے فوج کے تیار رکھنے میں مدد لیجائے۔ اور بچت سرکار عالی کو واپس کیجائے۔ اگرچہ یہ اضلاع انگریزی میں (سیڈیڈ ڈسٹرکٹس) کہلاتے ہیں مگر یہ معاہدہ فارسی میں ہوا تھا۔ اور فارسی میں "مفوضہ" کا لفظ ہے۔ اور تفویض کے معنے کسی کی امانی میں رکھنے کے ہیں اور ان اضلاع کی حیثیت بھی مشروط الخدمت جاگیر سے بڑھ کر نہیں۔

۱۷۶۸ء میں بالاگھاٹ کرناٹک کا وسیع رقبہ انگریزوں کو "دیوانی" میں دیا گیا۔ اور تاریخ بیں جانتے ہیں کہ "دیوانی" کا منشاء کم و بیش پٹے پر دینے کے مماثل ہے کہ انتظام اور رقمی وصولی کا کام "دیوانی یاب" کرے۔ اس سے وہ علاقہ "دیوانی دہندہ" کے اقتدارِ اعلیٰ سے نکل نہیں جاتا۔

اسی طرح ۱۷۶۲ء میں دارالظفر بیجاپور کا علاقہ انگریزوں کو بطور انعام عطا کیا گیا اور اس پر سات لاکھ کا نذرانہ و پیش کش مقرر کیا گیا۔

مختصر یہ کہ شمالی سرکار، اضلاع مفوضہ اور صوبہ بیجاپور کی حیثیت جاگیر کی ہے اور سب جانتے ہیں کہ کسی جاگیر پر سے معطیٔ جاگیر کا اقتدارِ اعلیٰ ختم نہیں ہو جاتا چاہے بابِ حکومت سرکار عالی اور دیوانی عہدہ داروں کا عمل دخل وہاں سے کتنا ہی کم کیوں نہ ہو جائے۔

پانڈیچری و کاریکال کی بھی بالکل یہی حیثیت سمجھی جا سکتی ہے۔

چوتھی قسم میں ہم اب حالیہ معاہدے کے ذریعے سے برار کو داخل کرینگے کیونکہ سابق میں یہ "پٹہ" کہلاتا تھا۔ اور حالیہ معاہدے سے پٹے کا لفظ حذف

کر دیا گیا ہے۔ وہ پہلے بھی حضور نظام کے اقتدار اعلےٰ میں تھا اور اب بھی
جلالت مآب شاہ دکن کے مکمل اقتدار اعلیٰ میں باقی رکھے جانے کی صراحت
سے معاہدہ ہوا ہے اور اس کا گورنر کنگ کوٹھی مبارک کی منظوری ہی سے
مقرر ہوتا ہے۔

پانچویں قسم میں غالباً مکلا و شحر کو داخل کیا جاسکتا ہے۔

ہم دستور سازان اتحاد المسلمین کو مشورہ دیں گے کہ اس بکری والے
کی طرح دھوکے میں نہ آئیں جسے یقین دلایا جاتا رہا کہ وہ بکریاں نہیں لیجا رہا
ہے بلکہ کتے۔ مقبوضات و جاگیرات جلالت مآب بہر حال مملکت آصفیہ
کا جز ہیں۔ یہ کہے جاتے رہنے سے کہ وہ مملکت آصفیہ کا جز نہیں ہیں،
ان کی یہ واقعی اور قانونی حقیقت بدل نہیں جاتی یہ اور بات ہے کہ......
اتحاد المسلمین کی شاخیں سب جگہ فوراً قائم نہ ہوں، اب بھی خود دیوانی کے
کتنے مقامات اس سے خالی ہیں!

عاقلاں را ایک اشارہ کافیست

(منقول از رہبر دکن حیدرآباد دکن ۹ ہر اردی بہشت ۱۳۴۹ ف)

حیدرآبادی علاقے انگریزی امانت میں

(از نامہ نگار دکن ٹائمز)

مجلس اتحاد المسلمین مملکت آصفیہ نے ان علاقوں کی جو انگریزی حکومت کی امانت میں ہیں واپسی کا مطالبہ کیا ہے ان علاقوں کی وسعت اور تاریخ پر ایک مختصر تبصرہ ناظرین دکن ٹائمز کے لئے باعث معلومات ہوگا۔

شمالی سرکار و کرناٹک بالاگھاٹ

۱۷۵۹ء میں پورا سرکار مچھلی پٹم (جس میں آٹھ ضلعے تھے) مع سرکار نظام پٹم و اضلاع کنداویر و واکل ما نویر ایسٹ انڈیا کمپنی کو بطور انعام جاگیر عطا ہوا۔ نافذ الوقت قواعد عطیات سرکار عالی کے تحت اس طرح کی جاگیروں کے سلسلے میں معطی لہٗ (جاگیردار) کے انتقال پر اس بات کا فیصلہ کرنا بالکلیہ حضور نظام کی صوابدید پر منحصر ہے کہ آیا وہ معطی کو واپس ہوجائیں یا معطی لہٗ کے کسی جانشین کو (جس کا تعین بھی معطی ہی کرتا ہے) ملیں۔

۱۷۶۶ء اور ۱۷۶۸ء کے معاہدوں کے تحت حضور نظام نے سرکارہائے کنداویر (ایلور) و شکاکول و راجمندری و مصطفےٰ نگر (کنڈاپلی) و مرتضیٰ نگر (گنٹور) —— جو شمالی سرکار کے نام سے مشہور ہیں —— نیز قلعہ کنڈاپلی مع جاگیر متعلقہ اور نیز کرناٹک بالاگھاٹ کی دیوانی ایسٹ انڈیا کمپنی کو سرفراز کی۔ کمپنی نے اقرار کیا کہ شمالی سرکار کی بابت سالانہ سات لاکھ کا پیش کش داخل کیا کرے گی۔

شمالی سرکار کی عطا کے سلسلے میں معیّن فوجی خدمات کی شرط لگائی گئی ہے۔
اور یہ طے ہوا کہ کمپنی سے جب کبھی حضور نظام طلب فرمادیں وہ "سپاہیوں
کی دو بیاٹریاں اور چھے عدد توپیں جن کو یوروپی چلائیں گے" بھیجے گی۔

اضلاع مفوضہ ۱۷۹۸ء اور پھر ۱۸۰۰ء میں ان امدادی فوجوں کے
آدمیوں اور اسباب میں اضافہ کیا گیا۔ اور ان کے
اخراجات پابندی سے وصول ہونے کے لئے حضور نظام نے ایسٹ انڈیا
کمپنی کو وہ تمام علاقے تفویض کئے جو ۱۷۹۲ء اور ۱۷۹۹ء کے معاہدات
سرنگاپٹم و میسور کے تحت ان کو حاصل ہوئے تھے۔

اس عطا کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ان
آخرالذکر دو معاہدات کے ذریعے سے ٹیپو سلطان کی وسیع شہنشاہیت
کا تہائی حصہ ملا تھا جن سے اس وقت حضور نظام کو ترسٹھ لاکھ
سالانہ کی آمدنی تھی۔

برار و بھدراچلم برار کا صوبہ جو حضور نظام کا زرخیز ترین مقبوضہ تھا۔
جس بدنام طریقے سے لیا گیا، اس کی مشہور کہانی
اعادے کی محتاج نہیں، بہرحال ۱۸۵۳ء میں وہ
کنٹنجنٹ فوجوں کے مصارف کی پابجائی کی ضمانت کے لئے دیا گیا
اس وقت اس کی آمدنی پچاس لاکھ سالانہ تھی۔ ۱۸۶۰ء میں مزید اضلاع
جو گوداوری اور پائین گھاٹ کی ندیوں کے پرے تھے کنٹنجنٹ فوجوں
کے بڑھتے ہوئے اخراجات کے لئے انگریزی انتظام میں دیدئے گئے۔
اور اس طرح مزید پچاس لاکھ روپے سالانہ سے زیادہ آمدنی ہاتھ سے
جاتی رہی۔ [اور ریاستِ بستر سے حیدرآباد کی سرحد کا اتصال بھی منقطع ہوگیا]

یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ اس زائد فوج کا قیام بالکل بلا اجازت ہوا تھا۔ اور غدار وزیر چندو لال سے سازش کر کے حضور نظام کی منظوری کے بغیر اسے قایم کیا گیا۔ اور باقی رکھا گیا تھا۔ اس طرح اس فوج کی تنخواہ اور بقایا کا سود اور نتیجۃً اضلاع کا ہتیا لیا جانا سب ایک ایسا معاملہ ہے جس کی مکمل نظر ثانی پر نوجوان حیدر آباد برابر اصرار کرتا رہے گا۔

۱۸۵۳ء کے معاہدے کی دو دفعات سے اندازہ ہوگا کہ انگریز حضور نظام کی کیا خدمات بجا لانے کے ذمہ دار ہیں:۔

ف ۲ ۔ مذکورہ سبسیڈیری فوج کا استعمال جب درکار ہو تو وہ اہم خدمات بجا لائے گی۔ مثلاً اعلیحضرت کی ذات، ان کے ولی عہد اور جانشینوں کی حفاظت، باغیوں اور ممالک محروسہ میں فتنہ برپا کرنے والوں کو مطیع بنانا۔ مگر اسے چھوٹی باتوں کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔ یا مثلاً سیبندی کے لئے مالگزاری وصول کرنے اضلاع میں متعین نہیں کیا جائیگا۔

ف ۳ ۔ مذکورہ کنٹنجنٹ فوج کا استعمال جب درکار ہو تو وہ ہر وقت حضور نظام کے احکام پر ممالک محروسہ کے ہر حصہ میں خدمت انجام دینے کے لئے پوری طرح اور فوراً مہیا کی جائے گی۔ اگر بغاوت یا فتنہ برپا کیا جائے یا اعلیحضرت کے جائز مطالبات یا اقتدار سے سرتابی کی جائے تو اس جرم کے وقوع میں آنے کے بعد مذکورہ کنٹنجنٹ فوج مجرمین کو مطیع بنانے کے لئے کام میں لائی جائے گی۔

اس سے معلوم ہو جائے گا کہ سبسیڈیری اور کنٹنجنٹ فوج پر کیا ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔ مذکورۂ بالا عطیات اراضی کے علاوہ ۱۸۰۰ء کے معاہدے میں حضور نظام نے یہ بھی منظور فرمایا ہے کہ :۔

۳ ۔ دونوں مملکتوں میں جو امن، اتحاد اور دوستی پائے جاتے ہیں وہ مدامی ہوں گے۔ ایک کے دوست اور دشمن، ہر دو کے بھی دوست اور دشمن ہونگے۔

۴ ۔ معاہدہ کنندہ فریقوں میں سے کسی ایک پر یا اس کے ماتحتوں اور حلیفوں پر کوئی سلطنت یا مملکت بلا وجہ اقدامی حملہ کرے اور باوجود مناسب توجہ دہانی کے دوستانہ تسویے پر آمادہ نہ ہو یا منصفانہ معاوضے یا ہرجے سے (جس کا معاہدہ کنندہ فریقوں نے مطالبہ کیا ہو) انکار کرے تو معاہدہ کنندہ فریق مل کر ایسی دیگر ضروری تدبیریں اختیار کریں گے جو اس معاملہ میں ضروری معلوم ہوں۔

اب اگر ہند کے لئے قلمروئی مرتبہ مان لیا جائے اور مثلاً دہلی اور حیدرآباد میں کوئی جھگڑا ہو تو انگریز کس طرح حیدرآباد کی مدد کو آسکیں گے کیونکہ حیدرآباد کے چاروں طرف وہی علاقے ہیں جن پر دہلی کی حکومت کا اقتدار چلتا ہے؟ اسی طرح اگر حیدرآباد انگریزوں کو کسی ایسے معاملے میں مدد دینے پر آمادہ ہو جس میں دہلی کی حکومت ناطرفدار یا لندن کی حکومت کی مخالف ہو تو حیدرآباد کس طرح اپنے حلیف سے اشتراکِ عمل کر سکے گا جب کہ اس کے پاس ساحل نہ ہو؟

شمالی سرکار اور کرناٹک بالاگھاٹ کے علاقوں پر حضور نظام کے حقوقِ اقتدارِ اعلیٰ سے قطع نظر، محض مذکورۂ بالا دو سادہ سوال برطانیہ کو اس بات پر فوراً آمادہ کرنے کے لئے کافی ہونے چاہئیں کہ حضور نظام کے زیرِ انتظام علاقوں سے متصل جو ساحلی علاقے ہیں وہ ان کو واپس کر دے۔

(ترجمہ از دکن ٹائمز مدراس مورخہ یکم ستمبر ۱۹۴۷ء صفحہ ۱۰۹)

آزاد ہندوستان میں حیدرآباد کا مرتبہ

(از ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب)

"مجھے سخت افسوس ہے کہ آج کے جلسہ میں شرکت کا موقع نہ پاسکا مسٹر محمد علی جناح کی سالگرہ منانے کا یہ سلسلہ خدا کرے بہت دن تک جاری رہے وہ ہمیں بہت عزیز ہیں اور جب تک وہ ملتِ اسلامی کے مفاد کی ترجمانی کرتے رہیں برابر عزیز رہیں گے لیکن انسان انسان ہی ہے عیب سے پاک اور اصلاح کی گنجایش سے بالا کون ہوسکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ پاکستان کے متعلق ان کا نظریہ بہت اعلیٰ تصورات پر مبنی ہے۔ سردست وہ اپنی قوم کے لئے وہ منطقے مانگ رہے ہیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے ایک شمال مشرق میں اور ایک شمال مغرب میں۔ اور باقی ملک میں وہ مسلمانوں کو جہاں اقلیت میں ہیں، ہندوؤں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ میری ناچیز رائے یہ ہے کہ اس نظریہ میں کچھ ترمیم کی جانی ضروری ہے۔ محفوظ کو حفاظت کے لئے قلعہ بھی بنا دینا اور خندق بھی کھود دینا بیشک فرزانگی ہے لیکن غیر محفوظ کی مدد کے لئے ایثار کرنا زیادہ مردانگی ہے۔ ہندوستان میں دیارِ اسلامی کی تحریک اصل میں حیدرآباد ہی سے چلی جس زمانہ میں یہ دیارِ اسلامی باوجود اپنی عظمت و وسعت کے بیرونی دباؤ کے آگے دبنے پر مجبور ہو گئے اس وقت حیدرآباد ہی وہ اکیلا مقام تھا جہاں باوجود اسکی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا لہراتا رہا اور مغلیہ سلطنت کا آخری مگر ناقابلِ تسخیر مورچہ ثابت ہوا۔ اب بھی وہ مسلمانانِ ہند کی

تہذیب اور حکومت کا مرکز ہے۔ اور ایک سے زائد عہد آفریں مسائل میں ان کی رہنمائی کر چکا ہے۔ جب مصیبت کے زمانہ میں وہ ان کا نام لیوا اور سہارا بنا رہا ہے تو آرام کے زمانہ میں تو وہ اس سے زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے اور ہندوستان کے دیار اسلامی اس کے نظام محوری سے ٹوٹیں نہیں تو ایک چیز ہوگی۔ خدا کرے کہ اس کو مسٹر جناح سمجھیں۔ ہماری خواہش یہ ہے کہ جہاں جہاں مسلم اقلیت میں ہیں ان کی حفاظت کا پورا اطمینان حاصل ہو جائے۔ اس کا طریقہ یہ نہیں کہ ان مقامات کے ہندوؤں کو جہاں مسلم اکثریت ہے ایک ضمانت سمجھا جائے۔ اسلام ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک جگہ مسلمانوں پر ظلم کرنے کا انتقام دوسری جگہ کے بے قصور، مطیع اور بے بس ذمیوں سے نہیں لیا جا سکتا۔

ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ جب برطانوی ہند کو دستوری تبدّل و تغیّر سے قلمروی مرتبہ حاصل ہو تو اس وقت آزاد حیدر آباد بھی بقیہ ہند کا شریک حال رہے، اور اس کی اس مساواتی اساس پر رہبری کرے جو اس کا مقام ہے۔ مسٹر جناح کو چاہیئے کہ اگر ان کی اسکیم میں یہ بات رہ گئی ہے تو اس کی تکمیل کریں۔ یہ خیال مسٹر جناح کو پہونچا دیا گیا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس پر عمل پیرا ہو جائیں گے اور اس طرح مسلمانوں کے مسئلہ کا حل نکل آئے گا۔

(منقول از رہبر دکن مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۴۲ء م ۲۳ر بہمن ۱۳۵۲ف ص ۴ تا ۵)

یادداشت
بخدمت صدر اعظم بہادر سرکار عالی

جنگ نے مسلمانان حیدرآباد کو مملکت آصفیہ کے حال اور مستقبل سے متعلق نہایت اہم مسائل سے دوچار کر دیا ہے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مجلس عاملہ اتحاد المسلمین کی خواہش ہے کہ حکومت آصفیہ کو ان مسائل کی نسبت مجلس کے نقاطِ نظر سے مطلع کر دیا جائے تاکہ حکومت ان پر سنجیدگی کے ساتھ غور فرمائے۔

(۱) حکومت مسلمانان حیدرآباد کے اس مستحکم ایقان سے ناواقف نہیں کہ ہٹلریت کے خلاف برطانیہ کی مہیب کش مکش نہ صرف اس کی اپنی حریت کی بقا کی خاطر بلکہ اس کے ہر اتحادی اور حلیف کے تحفظ کے لئے جاری ہے مسلمان اس حقیقت کو معلوم کر کے مطمئن اور مسرور ہیں کہ حیدرآباد کے فوجی اور دیگر وسائل اپنے حلیف کی اعانت کے لئے وقف کر دئے گئے ہیں لیکن تاسف اس امر کا ہے کہ اس کی یہ اعانت مملکت کے وقار کے اعتبار سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

(۲) یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حیدرآباد کی حربی طاقت اور حق اسلحہ سازی پر خواہ وہ کسی نوعیت کے ہوں، بر روئے معاہدات کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں ہے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ عہد ماضی کی حکمت عملی میں سہل انگاری

کے باعث حیدر آباد کو اپنی مدافعت کے لئے بیش از پیش برطانوی حلیف کا دست نگر ہونا پڑا اور نتیجۃً آج بڑی ندامت کے ساتھ ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ حیدر آباد کے نام سے ایک حقیر فوج محاذِ جنگ پر جاتی ہے جس کے لئے تعجب ہے کہ آلاتِ حرب تمام و کمال ممالک غیر سے فراہم کئے جاتے ہیں۔ اس لئے مجلس کی رائے میں باعتبار اقتضائے وقت اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ جہاں تک فوجی امور کا تعلق ہے حکومت کے موجودہ طریق عمل کا جائزہ لیا جائے اور ملک میں حکومت کی جانب سے بلا تاخیر بہ تعداد کثیر کارخانوں کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ جدید حربی ضروریات کے مطابق مملکتی افواج کے لئے آلاتِ حرب مہیا ہو سکیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ تاوقتیکہ اس کا انتظام نہ ہو اہل ملک بہ کمال شوق جنگ میں حصہ لینے کے لئے زیادہ سے زیادہ قوت نہیں صرف کر سکتے اس لئے مجلس اپنی رائے میں مناسب تصور کرتی ہے کہ وہ ساری مالی اعانت جو جنگ کے سلسلے میں حکومت یا اہل ملک کی جانب سے حاصل ہو فوجی طاقت کی توسیع اور مجوزہ حربی کارخانوں کے قیام کے لئے استعمال کی جائے۔

ف ۔ زائد فوج اور حربی کارخانوں کے لئے اشخاص کی فراہمی کے علاوہ مجلس اتحاد المسلمین اپنے اراکین میں سے ضرورت کے مطابق رضا کاروں کی مناسب تعداد مہیا کرنے پر بھی آمادہ ہے جو نہ صرف ملک کا امن و امان برقرار رکھے گی بلکہ میدانِ جنگ کی فوج کے لئے محفوظ دستے کا کام انجام دے گی۔ مجلس کامل وضاحت کے ساتھ بیان کر دینا چاہتی ہے کہ اس اسلامی مملکت کی حربی طاقت کے از سر نو قیام کی خاطر مسلمانانِ حیدرآباد ہر قربانی اور ایثار کے لئے یکجہتی کے ساتھ آمادہ ہیں تاکہ ایک طرف اس ضرورت

کے وقت اپنے حلیف کی پورے ساز و سامان کے ساتھ اعانت کر سکیں اور دوسری طرف اندرونِ ملک بد امنی کی صورت میں قیامِ امن کے فرائض بجا لائیں۔

ف ۔ دوسرا مسئلہ جو کسی طرح کم اہم نہیں حیدر آباد کی آزادی اور اقتدار کا ہے جس کی جانب مجلس کی توجہ مرکوز ہے۔ ۱۷۲۴ء میں جب سے کہ حضرت نظام الملک آصفجاہ اول نے جنوبی ہند میں اپنی آزادی کا اعلان فرمایا حیدر آباد خود مختار رہا ہے۔ سلاطینِ حیدر آباد نے اپنی اسی آزادانہ حیثیت میں ضرورت کے وقت برطانیہ کی مدد کی اور اس سے تحالف کا رشتہ قائم کیا۔ دونوں حکومتوں کے درمیان جو معاہدات طے پائے ان کی کوئی دفعہ ایسی نہیں کہ حیدر آباد کو اس کی موجودہ حیثیت تک گھٹا دے جو اس کے وقار کے منافی اور اقتدار کے مغائر ہے۔ یہ تصور موجودہ نسل کے لئے سخت تکلیف دہ ہے کہ حیدر آباد اپنی اُس حلیف طاقت کی بدولت اس پستی کو پہنچ گیا ہے جس کی ہمیشہ اس نے آڑے وقتوں میں مدد کی۔ وہ اپنی موجودہ حالت پر قانع رہنے کے لئے آمادہ نہیں جو عہدِ ماضی کے ایک ناگوار دَور کی وراثت ہے۔ حیدر آباد کو وہ پھر ایک بار قوی اور آزاد دیکھنے کے لئے بیتاب ہے تاکہ بلا مزاحمت استبدادی عملدر آمد کے پنجے سے آزاد ہو کر حیدر آباد حیاتِ نو حاصل کر سکے۔

ف ۔ برطانوی ہند کے طول و عرض میں حالات کی رفتار حکومت کے اربابِ حل و عقد کو دعوتِ فکر دے رہی ہے۔ اس حصّہ ملک کا سیاسی تمدن شدید انقلابی دَور سے گذر رہا ہے۔ خواہ وسٹ منسٹر قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو وہ آزادی حاصل کرنے کے قریب ہے۔ جب انگلستان

برطانوی ہند کیا تھا جس نے پوری شدت سے اپنی حکومت کی مخالفت کی ہے یہ سلوک کرسکتا ہے تو حیدرآباد جیسا یار وفادار اپنے حلیف کی جانب سے کم سے کم اس کا متوقع ہے کہ وہ اس کو اپنی قسمت کی تعمیر اور اپنے ہمسایہ یعنی ہندوستان کی آئندہ مقبوضاتی حکومت کے ساتھ دوستانہ تعلق قائم رکھنے کے لئے تنہا اور آزاد چھوڑ دے۔

۷ ۔ یہ امر بھی ناقابل فراموشی ہے کہ برطانوی ہند سے حیدرآباد کے تعلقات معیّن معاہدات کی بنیاد پر قائم ہیں اور مجلس کی رائے میں اِن معاہدات کی جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے دفاعی اور تجارتی ہیں اُس وقت کوئی اہمیت باقی نہیں رہ سکتی جب کہ برطانیہ براہِ راست اُن فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل نہ رہے جو فریق معاہدہ کی حیثیت سے اِس پر عائد ہوتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر جس لمحہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ حاصل ہو جائے حیدرآباد کی اپنی سابقہ خود مختارانہ حیثیت عود کر آئے گی اور مقبوضاتی حکومت کے ساتھ جدید معاملات طے کرنے میں وہ بالکلیہ آزاد ہوگا۔

۸ ۔ برطانوی ہند کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کی صورت میں چونکہ یہی اُمور اس کے ناگزیر مضمرات ہوں گے اِس لئے سب سے پہلا مسئلہ جو حکومت حیدرآباد کی توجہ کو مرکوز کرسکتا ہے وہ مفوضہ علاقوں کے اِسترداد کا ہے جو برطانوی حکومت کو اُن امدادی افواج کے مصارف کی پابجائی کے لئے تفویض کئے گئے تھے جو اس کے اغراض کے لئے اندرون مملکت متعین کی گئی ہیں۔ مملکت کے اُن مجبور کن حالات کا وجود اَب باقی نہیں رہا جن کے تحت گذشتہ زمانے میں حیدرآباد نے اپنے بعض علاقوں کا نظم و نسق

دفاعی اغراض کے لئے برطانوی حکومت کے سپرد کر دیا تھا کیونکہ اب
حیدر آباد اُن علاقہ جات کا خود انتظام کر سکتا ہے اور اپنے محاصل کے
ذریعے سے زائد فوج کے اخراجات بھی برداشت کر سکتا ہے جس کی حال
اور مستقبل میں اس کو ضرورت ہے۔ مجلس حکومت حیدر آباد سے اُمید کرتی
ہے کہ ہندوستان کو مقبوضاتی مرتبہ عطا ہونے سے بہت قبل ان مسائل
کی نسبت کارروائی آغاز کر کے اطمینان بخش نتائج کے حصول کی کوشش
فرمائے گی۔

۹۔ اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ:۔

الف۔ مجلس

(۱) حکومتی افواج میں توسیع اور

(۲) حربی اسلحہ سازی کے کارخانوں کے قیام کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے، تاکہ اس جنگ کے دوران میں برطانیہ کی خاطر خواہ اعانت کر سکے۔ اور جنگ کے خاتمے کے بعد اس کی حربی طاقت خود اس کی دفاع کا موجب ثابت ہو۔

(ب) مجلس اسی اضطراب کے ساتھ حکومت حیدر آباد سے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کے پیش نظر برطانوی ہند کو مقبوضاتی مرتبہ ملنے کی توقع پر حسب ذیل امور کی نسبت حکومت برطانیہ سے گفت و شنید آغاز کرنے کا شدید مطالبہ کرتی ہے۔

(۱) امدادی افواج کی برخاستگی جن کو حکومت برطانیہ نے حکومت آصفیہ کے مصارف پر حدودِ مملکتِ آصفیہ میں متعین رکھا ہے، اور نتیجۃً مفوضہ علاقہ جات کا استرداد۔

(۴) برطانیہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات کی اس طرح تجدید کہ اس کے ذریعے سے
حیدرآباد کی داخلی اور خارجی آزادی اور انفرادیت کا تحقّق حاصل ہو جائے۔

ف ۔ خاتمے پر مجلس اس حقیقت کو پوری شدت کیساتھ ظاہر کر دینا چاہتی ہے
کہ اپنے بیدار سیاسی شعور کے ساتھ مسلمانانِ حیدرآباد و نیز مسلمانانِ ہند
حیدرآباد کے تخت و تاج کو اپنی سیاسی برتری کا مظہر تصور کرتے ہیں اور اس کی
حریت و انفرادیت کی بقا کے لئے والہانہ شوق و اخلاص کے ساتھ ہر قسم کی
قربانی کے لئے آمادہ ہیں۔ اس لئے حکومت حیدرآباد کا مقدس فریضہ ہے کہ
عظیم تر ہندوستان میں حیدرآباد کی آئینی حیثیت کے دوبارہ حصول میں
متذکرۂ صدر طریقے کے مطابق کسی کوشش اور کسی ایثار سے دریغ نہ فرمائے۔
مجلس بکمالِ عقیدت کے ساتھ دست بہ دعا ہے کہ ان پیشِ نظر مقاصد
کی پیش رفت میں خدائے مسبّب حکومت کو کامل بصیرت اور قوت عطا فرمائے
اگر یہ مناسب موقع ہاتھ سے نکل جائے یا حکومت باقتضائے وقت سعیٔ
بلیغ سے قاصر رہے تو مجلس کو یقین ہے کہ مسلمانانِ حیدرآباد و ہند میں
ایسی صورتِ حال کے باعث جو ناگزیر ردِ عمل ظہور پذیر ہوگا۔ اس کی تمام تر
ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔

بہادر یار جنگ

صدر مجلس اتحاد المسلمین ۲۶ رجادی الثانی ۱۳۵۹ھ

اِشاریہ